



”تم ایشینڈ میں یہی تو خرالی ہے کہ تمہارے رچرڈسون کے سخت تنفس لمحے میں کہے اس فقرے کا بھلے کے لپے بھی اگر تمہیں کچھ کہا جائے تو تم اسے نوش لیا تھا۔ جبکہ منصف تو تھا، ہی ارباز کا قریبی دوست تعصباً کی نظر سے دیکھتے ہو، اگر کسی غلطی کی نشان اور اپنے وطن کے بارے میں حد درجہ حساس بھی۔“ ایک یکیو زمی سر! لیکن ذاتیات میں دخل اندازی کو ناپسند کرنا، ہم نے آپ امریکنر ہی سے سیکھا ہے۔ یہاں والدین کو اولاد کے معاملے میں اور شوہر کو بیوی کے معاملے میں دخل دینے کو بھی بد تہذیبی قرار دیا جاتا ہے تو پھر اگر ہم ایک آزاد قوم ہونے کی حیثیت سے اگر امریکہ یا کسی دوسرے ملک کی نکتہ چیزیں پہنند کیا، ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو ارباز کے نقطہ نظر سے متفق نہیں تھے لیکن انہوں نے بھی پروفیسر

پروفیسر رچرڈسون نے ارباز الیاسی کے اعتراض پر برا مانتے ہوئے کہا لیکن ان کے ریمارکس پر کلاس میں موجود گیارہ ایشین اسٹوڈنٹس نے زبردست نعروہ احتجاج پلند کیا، ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو ارباز کے نقطہ نظر سے متفق نہیں تھے لیکن انہوں نے بھی پروفیسر

منصف سے سوال اٹھایا۔

"جب آپ کامپریوور امریکہ کی نوہ لینے والی پریڈسون کی طرح ہر وقت اپنے اردو گرد رہنے والوں کی کمزوریوں کو پکڑتا رہتا ہے تو آپ اسے بائز کیسے قرار دے سکتے ہیں؟"

اس کی تقلید میں یہ دوسرا سوال اپریاز نے اٹھایا۔

"هم اس وقت چالند لیبرپول بحث کر رہے ہیں۔" پروفیسر رچرڈسون نے بوکھلا کے اپنا چشمہ درست کیا۔ موضوع سے ہٹ جانا اسے منگارا تھا۔

"اور یہ ایک حقیقت ہے کہ ایشیائی ممالک خصوصاً ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ ہیں دس سال سے آم عمر بچوں کی ایک بڑی تعداد محنت مزدوری کر کے بچے کا پیٹ پالتی ہے۔ کیا تعلیم حاصل کرنا اور اپنے بچپن کی تمام تر معمومیت اور بے فکری کو انجوائے کرنا ان کا بنیادی حق نہیں ہے؟"

"وریہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امریکہ اور اس چیزے دوسرے مادر پدر آزاد ممالک میں دس سال سے کم عمر بچوں کی ایک بڑی تعداد مسڑکوں، فشیاتکوں اور یتیم خانوں میں دھکے کھاتی ہے کیونکہ یہ وہ تسلی ہے جسے نہ باپ کا نام نصیب ہوتا ہے نہ ہی ماں کی گود۔ انہیں ان چاہی چیز کی طرح پیدا ہوتے ہی پچھنچ دیا جاتا ہے۔ کیا ایک یتیم میں رہنا اور تمام انسانی رشتہوں کی محبت حاصل کرنا ان کا بنیادی حق نہیں ہے؟" منصف بقول اپریاز کے چھڑکا تھا۔

"مسٹر تارڈ" آپ بار بار موضوع کو متازعہ بنارہے ہیں۔ "پروفیسر نے شنبہ کی۔"

"سر! میں صرف اتنی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان اور اندیما کو چالند لیبر کے حوالے سے بدنام کرنا سخت نا انصافی ہے۔ آپ کے اعداد و شمار کو میں غلط نہیں کہتا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دنیوں ممالک کی آبادی ان کے وسائل سے کمیں زیادہ ہے۔ دس دس بارہ بارہ افراد کے لئے کاپیٹ پالنا ایک اکلے شخص کے بس سے باہر ہوتا ہے، "محبوبا" انہیں اپنے تم

سن بچوں کو مشقت کی اس بھٹی میں جھونکنا رہتا ہے لیکن ایسا صرف نحلے طبقے میں ہوتا ہے، محنت حشر شے میں۔ جبکہ دیگر لوگ اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کے بھر بچوں کی تعلیم و تربیت کرتے ہیں۔ اس کے بر عکر آپ یہاں امریکہ میں ہی دیکھ لیں۔ اتنے بھجے بھجے گھرانوں کے لڑکے لڑکیاں پارٹ نائم جاپ کرتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ ان کے والدین اپنی محنت کی کثرت اپنی ہی پیدا کی ہوئی اولاد پر صرف گرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ انہیں سیاعن کا فیڈنس ابھارنے کا درھوکار کے۔ کے۔ تو کبھی سیاعن میڈ بننے کا خواب دکھا کے۔ انہیں ہری جھنڈی دکھادیتے ہیں۔ یہ پارٹ نائم جاپ جلد ہی فل نائم جاپز کا روپ دھار لیتی ہے۔ یہ وجہ ہے کہ یہاں شرح خواندگی بڑھنے کے بجائے کم ہوتی ہے رہی ہے۔ وہاں اگر کم سن بچے قالیں بننے ہوئے اپنے انگلیاں فکار کرتے ہیں، ورکشاپوں میں دھو میں اور

ڈینل سے اپنے چڑے کالے کرتے ہیں، سڑکوں پر ریڑھیاں لگائے چیزیں پہنچتے ہیں تو ایک طرح سے اپنی کابوچھ بانٹتے ہیں۔ یعنی جہاں کھاتے ہیتے گھرانوں کے لڑکے اور لڑکیاں اسکوں نائم کے بعد اسٹور کپڑا، بوائے اور روپڑس بنتے ہیں تو اس کی کیا وجہ ہے سر؟" "زبردست منصف!" بعد میں نیلم نے اسے پرنس طریقے سے داد دیتے ہوئے کہا۔ "آج تو تم نے سر رچرڈسون کی بولتی ہی بند کروادی۔"

"ربش۔" سائز نے تاک چڑھائی۔ "سر رچرڈسون کا تو اور والا خانہ ویسے ہی خالی ہے ورنہ ان کی اس بڑی پودی دلیلیں تو منشوں میں چنکی میں اڑائی جائیں۔"

"تو تم نے یہ چنکی کیوں نہ بھائی؟" اپریاز نے کہا۔ "یہیں کلاس روم میں ایسی بکواس بحث کرنے لیقین نہیں رکھتی۔ یہ سب خود کو نمایاں کرنے نہیں اور چھپی کوشش ہے ورنہ چالند لیبر کہاں۔ کہاں نہیں، کون غلط ہے اور کون درست۔" سب یہ بحث کرنے سے ہمیں کیا حاصل اور منف

کر دینے والی پریتی دیوں اپنی جنم بھیوی "بھارت" کے بارے میں زیادہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اپنے دلش کا عقیدت سے ذکر کرنے والے اس کے ماتا پاۓ بھارتی طور طریقے تو سکھا بیٹھے تھے لیکن کبھی بھارت لے جانے کا نام تکنہ لیا تھا۔

ارباز الیاسی بھی ایک انڈین تھا۔ ایک انڈن مسلمان۔ وہ جتنا سچا مسلمان تھا، اتنا ہی محبت وطن بھارتی شری۔ اسے جتنا لگاؤ اسلام سے تھا۔ اتنا ہی گریز و پاکستان کے نام سے کرتا تھا۔

"تمہب کے نام۔ میں کو باشنا سرا سرجن باتیت ہے۔" اس مسئلے پر اکثر ایس کی اپنے گھرے دوست منصف سے بحث رہا گرتی تھی۔

منصف علی تارڑ۔ جس کا تعلق پاکستان کے صوبے پنجاب سے تھا اور جو دیساں بیک گر اوئنڈر رکھتا تھا۔ اس کے والد ایک خوشحال نمیں دار تھے اور وہ اپنے گھرانے کا واحد فرد تھا جو نہ صرف اعلاء تعلیم حاصل کر رہا تھا بلکہ اس مقصد کے لیے امریکہ آیا ہوا

بیوی غادت ہے جہاں موقع ملے، اپنی مشرق پرستی کا اُم الائپا شروع کر دتا ہے اور کبھی بھارت تو اس میں نہ سے تجاوز کر جاتا ہے جیسے کہ آج۔"

ارباز نے اس کی تنقید پر مکرا کے منصف کی پیشہ لیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی وہی مکراہٹ شکر پچھلے سات میونوں میں وہ لوگ سارہ داؤ دی۔ عرف سارو ڈیوڈ کی ایسی باتوں کے عادی ہو چکے تھے۔ "اگر کوئی ہم پر تنقید کرتا ہے تو کیا تمیں اسے جواب نہیں پیدا چاہیے؟" ریچا کی اگرچہ سائے سے خاصی نہ تھی لیکن موقع ملنے پر وہ بھی ارباز الیاسی اور منصف کے ساتھ ہو جایا کرتی تھی۔

"چاہے وہ تنقید مثبت ہی کیوں نہ ہو؟" سائے نے پیش کی پوچھا۔ "اوکم آن ریچا! اپنی کمزوریوں کو برواشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہیے بجائے اس کے کہ ان پر پردازی کے چھپانے کی بھوتندی کو شش کی جائے یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ ایشیا میں خصوصاً "مسلم ممالک میں خواتین اور بچوں کے بنیادی حقوق کی بامال و حریقے سے ہو رہی ہے اور انڈیا بھی اس وڑ میں کسی سے پچھے نہیں ہے حالانکہ قدامت پسندی اور بنیاد پرست مسلمانوں کا ویرہ ہے کیوں پریٹی!

اس نے ہمیشہ کی طرح پریتی کو پریٹی کہہ کے مخاطب نیا۔

"میں کچھ کہہ نہیں سکتی۔ نہ میں انڈیا کے بارے سما پکچھ جانتی ہوں نہ ہی انڈینز کے بارے میں۔" اس نے بے چارگی سے شانے اچکائے

"بہت یو آر انڈین۔" سائے نے حیرت سے کہا۔

"ٹوچ انڈن۔" ارباز نے اس کے گھنے سیاہ بالوں پر سے سدھی تکلی شفاف مانگ گندمی رنگت، بڑی نہیں سیاہ آنکھوں میں لگے کا جل، کلاسیوں میں کھنکتی ہی کی چوریوں اور ناک کی لونگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیں آئی ایم بہت چا۔" اس نے ایک بار پھر شانے جنمائے اور یہ حقیقت تھی کہ وورے ہی اپنی پہچان

تھا۔

نیلم سرور اس کا تعلق بھی پاکستان سے تھا مگر منصف کے بر عکس وہ ایک مذل کلاس فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ آج اگر وہ امریکہ میں موجود ہی اور کولمبیا یونیورسٹی میں زیر تعلیم بھی۔ تو اس کی وجہ اس کی خوب صورت اور ذہن بڑی، مگر مریم بھی۔ جو خود سے دیکنی عمر کے ایک امیر کبیر شخص سے تادی کر کے اپنی فیملی کو اس اندر ہیرے سے نکالنے کی تک وہ میں بھی جو سالوں سے ان پر چھمایا ہوا تھا۔ نیلم کا بہنوئی سالوں سے امریکہ میں سیمیل تھا، مریم سے شادی کے بعد اس نے نہ صرف اپنے بڑے سالے کو پاکستان میں بزنس سیٹ کرنے میں مدد دی بلکہ چھبوئے سالے کی کنڈا میں مقیم اپنی جان پہچان کی ایک فیملی میں شادی بھی کرا دی، وہاں کھرد امدادیں کے مزے کر رہا تھا۔ مریم اپنی چار غیر شادی شدہ بہنوں میں سے دوسرے نمبر کی بس۔ یعنی نیلم سرور کو اپنے ساتھ امریکہ ہی لے آئی تاکہ اس کا رشتہ بھی کسی اچھی فیملی میں کرا دیا جائے۔

نیلم سرور کی ظاہری شخصیت کو دیکھ کے یہ اندازہ بخوبی ہوتا تھا کہ وہ جیسی نظر آنے کی اپنی کی کوشش کر رہی ہے، دراصل وہی ہے نہیں۔ ڈھانی سال سے امریکہ میں رہنے کے باوجود اس کی انگریزی اب بھی اکثر لڑکھڑا کے منہ کے بل کر جایا کرتی، اس نے خود میں کافی حد تک تبدیلیاں لائے کیلئے کوشش کی تھی اور وہ اچھی خاصی ماڈل کھاتی دیتی تھی لیکن امریکی نقطہ نظر سے وہ اتنی ہی بیک و رڑ اور پینڈوٹا پہنچتی تھی۔ کسی حد تک "لامی لگ" نیلم سرور کی اپنی کلی رائے نہیں۔ کسی بھی معاملے میں نہیں۔ بھی وہ سائہ داؤ کے ماڈرن ایزم کی حاصلی تو بھی منصف کی روایت پسندی سے متاثر نظر آتی تھی۔

سائہ داؤ اٹر ایمسی۔ جو نیویارک میں سائہ دیوڑ کے نام پرے جانی جاتی تھی۔ آدمی مسلم اور آدمی یورپیں تھی۔ اس کا باپ سیدی داؤ اٹر ایمسی کی تیونس سے تعلق رکھتا تھا جبکہ مل کا تعلق فرانس سے تھا۔ مسلم باپ اور فرنچ مل کی ملی جلی، ثابت ہے یہ ہوئے

سائہ داؤ کے مل وہ ماغ یہ اس کی مل کا پاک اثر تھا ویسے بھی باپ کا تعلق زندگی کے ابتدائی گیا رہ سمل تک بہ پھر دنوں کے مابین علیحدگی ہونے کے بعد اس کی مل اسے لے کے امریکہ آن بھی جبکہ باپ فرانس سے والبیں اپنے وطن تیونس میں شافت ہو گیا۔

رجاہیں بھی گروپ میں شامل ایک اور انڈن۔ اس کے اور منصف کے حالات خاصے ملتے جائے تھے۔ اس کی طرح وہ بھی ایک روایتی گر کھاتے پڑتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اور بریلی سے یہاں تعلیم حاصل کرنے آئی تھی۔ قبول صورت ریچارڈ زیادہ روستی اپنی ہم وطن اور ہم زہب پریتی کے بجائے سائے سے تھی حالانکہ دنوں کالائف اشائل بالکر مختلف تھا۔ آزاد خیال ہونے کے باوجود ریچارڈ آزادی مخفی "خیال" کی حد تک ہی محدود تھی۔ اپنے خاندان کی روایات کو اس نے امریکہ میں اکیلے رہنے کے باوجود خاصی حد تک برقرار کھا ہوا تھا۔

اور پریتی دیوں۔

پورے گروپ میں واحد جو ایک بھرپری ٹکمار فیملی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کے والدین عرصہ درجہ سے امریکہ میں مقیم تھے۔ کونیز کیونٹی ہاسپٹل میں تینیات دنوں ڈاکٹر میاں یوی اپنے نہ بب سے گرز عقیدت رکھنے کے باوجود ہندوستان سے وابستگی ہونے کے برابر رکھتے تھے۔ پریتی کے تین چھوٹے بھائی نکھل، مکل اور اتل تھے، جو مکمل امریکی رہ لیے ہوئے تھے لیکن پریتی اپنے والدین کی کچھ شعوری اور کچھ لا شعوری کوششوں کی وجہ سے اس رنگ میں نہ رنگ سکی۔ اس کا ردو کالب ولہجہ بالکل صاف ہی روایا تھا، وہ ہندی فلموں اور مو سیقی کی دلدار تھی، کرتا شلوار شوقی سے پہنا کرتی اسے ہندوستان زیورات چوڑیاں، لیکن پاٹل، بندیا بھی بے حد تھیں۔ شاید اس کی وجہ پر تھی کہ تینوں بھائی میں بجاۓ دن کا پیشتر حصہ باہر گزارا کرتے اس لیے۔ اڑ لینے میں انہیں زیادہ وقت نہ لگا، جبکہ پریتی کو۔ کے پتا ڈاکٹر ابھی کی جانب سے کچھ پابندیوں کا رہ۔

بچپن سے ہی رہا، اسے بلا ضرورت اور پلا اجازت گھر سے دیر تک باہر رہنے کی عادت نہیں تھی اور گھر کے ماحول میں حیرت انگیز طور پر مشتمل اور مذہبی رنگ نمایاں تھا، سیکی وجہ تھی کہ امریکہ میں پلنے بڑھنے کے باوجود پریتی دیوں، سرتپا ایک مکمل بنوستانی لڑکی نظر آئی تھی۔



یہ کونز کے ایریا، میں واقع پریتی دیوں کے خوب صورت گھر میں اترنے والی صبح کا منتظر ہے
”اوام جے چکدیش ہرے۔“
سوالی جے چکدیش ہرے۔“

مخفیت کی آواز کے ساتھ یہ ماؤس بول، ڈاکٹرا بھے کی آواز میں پریتی کے کانولی میں اتر رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہی تھی۔ جو گزر ہنسنے کے بعد اس نے دستانے چڑھائے اور مفلرا پنے گرد اچھی طرح پیٹ کے سچے اتر آئی۔

”گذمار ننگ نام۔“ پکن میں جھانک کے اپنی ماں ڈاکٹر نہنا سے کہنے کے بعد وہ گھر میں بننے چھوٹے سے مندر کی جانب چلی آئی جہاں بھکوان رام، سیتا اور کرشن کی سورتیوں کے آگے ڈاکٹرا بھے پوجا کا تحال لیے کرنے میں مصروف تھا۔

”نشتے پاپا۔“ اس نے کبھی انہیں ”گذمار ننگ“ کہنے کی بھول نہیں کی تھی۔ جانتی تھی کہ اس کے پاکو پسند نہیں۔ ڈاکٹرا بھے نے مسکرا کے اپنی بڑی بیٹی کو دیکھا جواب مورتیوں کے آگے ہاتھ جوڑے آئیں موندے اس کے برابر کھڑی ناخوس طریقے سے تلتے لبوں کے ساتھ پاٹ کر رہی تھی۔

”تمہارے بھائی کماں ہیں؟ کیا روز کی طرح آج بھی پوچا کیے بغیر نکل گئے؟“ وہ خاموش رہی۔ ابھے نے اس کے ماتھے پر ننگ لگا کے آشی را دینے کے بعد ہیشہ کی طرح آج بھی اپنے بیٹوں کی لاپرواں اور نافرمانی پر ایک لمبا چوڑا ایک پھر دن اسکے کیا جو ناشتے کے دوران بچپنی جاری رہا۔

”سب تمہاری ڈھیل کا نتیجہ ہے نہیں۔ تم اپنے بچوں کو سند کار دینے میں ناکام رہی ہو۔ وہ دن بدن اپنے دھرم سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔“

”اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے ابھے“ بالآخر نہیں نے وضاحت کی۔

”پہ لامیاں پن ان کی نیچر میں شامل ہے۔ میں دھرم انہیں گھول کے تو نہیں پلاسکتی۔ اب پریتی کو ہی دیکھ لوئی چاروں ایک ساتھ پلے ہیں۔ ایک ہی گھر میں ایک ہی ماتا پتا کی گود میں۔ اور ایک چیز ہے ہی سن کاروں کے ساتھ۔۔۔ لیکن چاروں کی نیچر اور عادتیں الگ الگ ہیں۔“

”اس لیے کہ پریتی شروع سے ہی مجھ سے اٹھیج رہی ہے جبکہ بیٹے تمہارے لاڈ لے جیسے تمہارے لیے دھرم ایک رومن کی چیز ہے اور تم ہنسنے میں ایک آدھا بار بھکوان کے آگے سے گزرتے ہوئے سرسری ساپر نام کر لیا کرتی ہو یا پھر سال میں دو ”برت“ رکھ کے سمجھتی ہو کہ تم نے ایک شدھ ہندو ناری، ورنے کا دھرم نبھا دیا ہے، اسی طرح تمہارے بیٹوں کے لیے بھی دھرم بس ایک نیک ہے جسے وہ اپنے ناموں کے آگے لگائے پھرتے ہیں۔“ وہ تنخی سے کہتے ہوئے کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے جانے کے بعد نہنا نے سر جھنکا اور ہاتھ میں رکھا تو سبے دلی سے پلیٹ میں واپس رکھ دیا۔

پریتی کے لیے یہ نئی بات نہیں تھی۔ اس کے والدین کی اندر ریڈنگ دیگر معاملات میں قابلِ رشک تھی۔ انہیں بلاشبہ ایک آئینہ میں جوڑا قرار دیا جا سکتا تھا۔ صرف یہ واحد چیز ایسی تھی جس سے دنوں کا اختلاف کھل کے سامنے آ جایا کرتا تھا۔ ڈاکٹرا بھے کو اپنے شدھ برہمن ہونے پر بہت فخر تھا جس کا دبر ملا اظہار بھی کیا کرتا۔۔۔ یہ اسی کا کڑ عقیدہ تھا کہ امریکہ میں سالہ سال سے رہنے کے باوجود ان کی فیصلی اب بھی مدھیہ پروپیش کے کسی قدیم مندر میں سالس نے رہی تھی۔ ڈاکٹرا بھے نے کئی سال پہلے یہ کھر ”و استو شاستر“ کے اصولوں کے عین مطابق بنایا تھا۔ مشرق کی

کھاتے کہ ان میں اندھا شامل ہوتا ہے جس کو کھانے سے ان کا "شائکا باری" (دیکھنے نہیں) وہ رم خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ مانی کاڈ، زندگی کے ہر لطف سے دور رہنا ٹکیا دھرم ہے؟"

"زندگی کا لطف صرف انہے اور گوشت میں نہیں رکھا جائی ڈیر سن! زندگی کا اصل مزا "پریم" میں سے اور پریم انسان کو دسرے کی خوشی کے لیے من مارنا سکھتا ہے۔ یہ میرا پریم ہے کہ میں بہت سی باتوں کو ناپسند کرنے کے باوجود صرف ابھے کی خوشی کے لیے انہانے پہ بجور ہوں اور شاید یہ تمہارے پتا کا پریم ہے بھگوان جی سے کہ وہ ان کی خوشی کے لیے اپنے دھرم پر اتنے پکے ہیں۔"

دھرم پریتی کی سمجھ میں کبھی بھی نہیں آیا تھا مگر "پریم" کا فلسفہ وہ آسانی سے سمجھ سکتی تھی اس لیے سر ہلاکے وہ عُجی۔ وہ بھی تو اپنے دھرم کی روح میں اترے بغیر صرف اپنے پیارا کو خوش رکھنے کے لیے وہی کرتی آئی تھی جو وہ چاہتے تھے ان کا کہنا تھا، پوچھے من کو شانتی ملتی ہے۔ وہ پوچا کرتی تھی، اسی سے من کو شانتی ملتی تھی یا نہیں، وہ نہیں جانتی تھی لیکن اسے پوچھا میں مصروف دیکھ کے جب ڈاکٹر ابھی کے چہرے پہ خوشی اور فخر کے رنگ پھیلتے۔ تب وہ بے حد شانت ہو جایا کرتی۔

"ما! آرج آپ کاڈے آف ہے تو کیا میں آپ کی کار لے جاسکتی ہوں؟"

"کیوں، آج ٹیوب سے جانے کا لی نہیں چاہ رہا کیا؟"

"دیکھو نکلی مجھے رچمنڈ لائز سے رجعا اور برداں لین سے سارہ کو لیتے ہوئے شاپنگ کے لیے جانا ہے نیم نے پارٹی میں انواست کیا ہے، ڈرسز کے ساتھ ساتھ اس کے لیے گفت بھی سلیکٹ کرنا ہے۔" "اوکے، بٹ لی کیسِ فل، سن رائز ہائی وے پہ ڈرائیونگ آسان کام نہیں۔" ڈاکٹر نہیں ناکید کے ساتھ اجازت دے دی۔



جانب کھلنے والی کھڑکیوں کے سامنے ایک اونچی جگہ پر بیٹائے گئے مختصر سے مندر میں ہر بھگوان کی سورتی رکھی تھی جس کے آگے پوچھا میں استعمال ہونے والے تمام لوازمات کا اہتمام بھی لازمی ہوتا۔ ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے وہ اپنے خاص بندٹ جی کو بلوا کر پہلے کنٹل کے ذریعے مہورت نکلا تا اور پھر اس کام کا آغاز کیا جاتا۔ ایس کے بر عکس ڈاکٹر نہیں ایک اعتدال پسند ہندو خاتون تھی۔ وہ اپنے پتی کے نہ بھی جذبات کا احترام ضرور کرتی تھی اور مقدور بھر مذہبی فرائض بھی ادا کیا کرتی تھیں لیکن اکثر اوقات دبے دبے الفاظ میں ابھے کو اس کی شدت پسندی پر ٹوک بھی دیا کرتی جیسا کہ آج ہوا تھا۔

"جنہے پیا پہ بھی بھی بہت حیرت ہوتی ہے۔ پتا نہیں وہ اور تم سے کیا چاہتے ہیں؟" نکھل جواندرا اپنے کمرے میں شاید پیا کے جانے کا ہی مختصر تھا، باہر نکلتے ہوئے اکتا ہٹ بھرے لبخ میں بولا۔

"میرے اور بھی بہت سے انڈن روست پیں لیکن کسی کی بھی فیملی میں دھرم کو لے کر اتنی بابندیاں نہیں لگائی جاتیں جتنی ہمارے گھر میں ہیں۔ اشنان کے بغیر ہم رسولی میں نہیں جاسکتے، ہمارے گھر میں میٹ گوشت (نہیں آسکتا، پوچھے اور تسلک لگائے بغیر یا ہر نہیں جاسکتے۔" وہ چڑ کے ایک ایک بابندی گنوار ہاتھا۔

"تو نکھل! کیا تم میٹ نہیں لیتے؟" پریتی نے خود سے چار سال چھوٹے بھائی کو ٹوکا۔ "میں اور مامی کیا پیا بھی یہ جانتے ہیں کہ تم میٹ لیتے ہو،" صرف تم بلکہ مکل اور اتل بھی بربادی، برگرا اور پرزاو غیوویہ جانے بغیر کھا لیتے ہو کہ اس میں کون سا میٹ شامل ہے۔ پھر چاہے وہ ٹکوٹا کا ہو یا پورک ہو۔ پیا تم سے صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس گھر میں میٹ نہ آئے کیونکہ یہاں وہ پوچھا کرتے ہیں، اس سے ان کے دھار مک جذبات کو پیش کر پہنچتی ہے تو کیا تم ان کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔ ماما بھی تو پیا کی خوشی کے لیے اتنا کچھ کرتی ہیں اور میں بھی۔ پھر چاہے بل سے ہمیں وہ پسند ہو یا نہ ہو۔"

"پیا کا کیا ہے۔" وہ تو کیک اور بیکٹ تک نہیں

"اوہ میں مجھ سے اس منصف؟" سارہ حیرت سے
چلائی۔
وہ تینوں اس وقت Blooming Dolas میں
شانگ کر رہی ہیں، جب سارہ نے ان دونوں کی توجہ
ایک کاؤنٹر پر سیلز میں کے روپ میں کھڑے منصف کی
جانبدالائی۔

"رنے دو سارہ! ہو سکتا ہے، ہمیں دیکھ کے وہ احمد
محسوس نہ کرے۔" سارہ کو منصف کی جانب لپکتے دیکھ
کے رہ چاہنے روکنا چاہا۔
"اس نے کبھی ابھی اس بارث نائم جاب کے بارے
میں ذکر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے وہ نہ تباہ چاہتا ہو۔" لیکن
سارہ نے اس کی بات کی پرواہ نہیں کی۔

"جست آمنٹ یار" میں ابھی آتی ہوں۔" اور
انہوں نے وہ کھا کہ سارہ کے اچانک وہاں چھاپے مارنے
کے سے انداز میں جانے کے باوجود منصف کے چہرے
چہ نہ تو حیرانی تھی نہ پریشانی۔ اس کے بر عکس وہ بڑے
فائرل انداز میں اس سے بات کر رہا تھا، اس دوران
شاید سارہ کے اشارہ کر کے ان دونوں کے متعلق بتانے
پہ اس نے ایک اچھتی سی نظر اس طرف بھی ڈالی تھی،
پریتی کو متوجہ دیکھ کے منصف نے سرہلا کے اسے وش
کیا تو اور رہجا کو بھی جانا ہی ڑا۔ اپنی شانگ کی بیکنگ
کروائے وہ منصف کے کاؤنٹر کی جانب بڑھیں تو ماحول
یکسریدلا ہوا پایا۔ منصف کے چہرے پہ گھری سمجھی دی
تھی جبکہ سارہ کا چہرہ تمہارا تھا۔ اس کے سخن سے بھی
لب اس کے غصے کو ظاہر کر رہے تھے جبکہ نیلی آنکھوں
سے لپکتے شراروں کا رخ منصف کی جانب اشارہ کر رہا
تھا کہ یہ غصہ ضرور اسی کی کسی بات یا حرکت کا نتیجہ
ہے۔

"سم تھنگ سیریس؟" رہ چاہنے باری باری
دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سارہ سر جھٹک کر
اور پر پتختے ہوئے واپس مردگئی۔ منصف اسے دیکھ کے
پوں مسکرا یا جیسے کسی صدمی نبھے کی معصوم گربے حد
تھنگ اور عاجز کر دینے والی حرکت پہ بے بسی سے
مسکرا یا جاتا ہے۔

"غذلا" تم بھی پہلا سوال مجھ سے یہی کرو گی کہ
منصف علی تارڑ، تمہارے والد کی ان زمینوں،
جا گیوں اور حوالیوں کا کیا ہوا، جن کا تم ذکر کیا کرتے
تھے یا پھر تمہیں کسی نامعقول حرکت پر عاق کر دیا گیا
ہے جو تم اس استور پر نایاں اور بنیانیں بیخنے پہ مجبور
ہو۔"

"ایک تو یہ سارہ... رہ چاہنے تاسف سے سر
بلایا۔ اسے فقط توقع نہیں تھی کہ سارہ جو منصف کو
دیکھ کے اس بے تالی سے اسکی جانب لکھی تھی تو
اصل میں وہ بے تالی اس طنز کو اکٹھنے کی تھی۔ پریتی بھی
کچھ نہ کرنے کے باوجود شرمندہ کی نظر آئی۔

"ویسے کرنا چاہو تو تم بھی یہ سوال بخوبی کر سکتی ہو،
بے فکر رہو، میں تمہیں وہ جواب ہرگز نہیں دوں گا جو
سائز۔ اور آئی میں سارہ کو رہا تھا۔"

"یو آر ٹوچ منصف! ضرور تم نے ایک کے بد لے
دیں سنائی ہوں گی۔" رہ چاہ کو اندازہ تھا کہ وہ ادھار
رکھنے کا قائل نہیں خصوصاً سارہ کے ساتھ تو وہ اکثر
لڑاکا اور توں کی طرح لڑا کر تھا۔

"نہیں بھی، اتنا فضولی خرچ نہیں ہوں میں۔
اس نے ایک ہی بات کی تھی کہ میں یونیورسٹی میں خود
پہ خول چڑھائے پھر تاہوں، ڈبل پر سانائی کا مالک ہوں،
جو ایس میں میں نے بھی ایک ہی۔۔۔ بس ایک ہی بات
کی تھی، بلیو ہی۔"

رہ چاہ اور پریتی دونوں نے اس "ایک ہی بات" کی
ترہ تک جانے کے بجائے استور سے باہر نکلنا زیادہ
مناسب چنانچہ سارہ اس سے زیادہ ان کی منتظر نہیں
رہ سکتی تھی۔

"سمجھتا کیا ہے خود کو ٹٹ پونجھا۔" وہ حسب توقع
دانست پیکر پیس کے "اس ایک ہی بات" کی بھروس
نکال رہی تھی جس کی شدت کا اندازہ پریتی کو اس کے
غصے اور ٹیلملا ہٹ کو دیکھ کے با آسانی ہو رہا تھا کہ وہ بات
کس درجہ کمال کی ہو گی۔

"اگر ایسا ہی لینڈ لارڈ ہوتا تو یہ میں سیلز بواۓ بن
کے کھڑا کیوں ہوتا۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا، یہ شخص

انہائی بڑلولا، ہجتی اور شجنی خور میے یہی نہیں بلکہ حد سے زیادہ دیقاونی اور بوسیدہ سوچ رکھتا ہے۔ ہونہہ، کہتا ہے میں نہ کی چال رچنے کی کوشش میں اپنی چال بھی بھوتی جا رہی ہوں مالی فٹ مجھے کو آکھا اس نے۔ ”اوہ ویری سید،“ تو بہت بڑی بات ہے۔ ”پریتی نے اپنی بے ساختہ سکراہٹ چھیاتے ہوئے ہمدردی سے کما جکہ ریچانے یہ تکلف کیے بغیر بے دھڑک تقصہ لگایا تھا۔

”اوٹ اپ یو انڈین جھنکا مٹکا، ہیروئن۔“ اس نے ریچا کو لہاڑ کے رکھ دیا۔ اس کے ہر وقت مشتعل انداز میں نکسک سے تیار رہنے اور قلمی، ہیروئن سرزر کے فیشن کاپی کرنے کی وجہ سے اس کا نام ”جھنکا مٹکا“ مسالہ ہیروئن ”مشورہ ہو چکا تھا۔“ دیوداس ”میں ایشور یا جیسے لکھن،“ مادھوری جیسی سازھی۔ ایشا جیسا کرتا شلوار پہاڑا کا ہیڑ اسکل اور فلاں کے جھنکے۔ ڈھمکاں کی لہندیا۔ یہ اس کی گفتگو کا خاص موضوع تھے۔

”یہ سب تمہارے اس فیضی گیٹ اپ کا نتیجہ ہے اینڈیو آلپریٹی۔ کم آن فرینڈز، کچھ تو چیز لاو خود میں اور کچھ نہیں تو شاپنگ یا آونگ کے وقت تو یہ عجیب و غریب ڈریسز مت پہن کرو۔“

پریتی مکمل انڈین ڈریسز تو نہیں پہننی تھی، خصوصاً ”گھر سے باہر نکلتے ہوئے“ گھر میں وہ شلوار قیمیں یا کرتا پا جاسہ ہی پہنا کرتی۔ تمہاروں اور اپنی کیوٹی کے فنکشنز کے لیے وہ بڑے اہتمام سے پیور انڈین ڈریسز جیسے گھاگھرا چولی، سازھی دیوبیو بنوایا کر لیں یا انہیں پاہر جانے کے لیے اس نے خاص ایسے ڈریسز بنا رکھے تھے جو مغربی نیج لیے ہونے کے باوجود مشتعل حیا کے تمام ترقاضے پورے کرتے تھے۔ جیزز کے ساتھ ہمٹنوں تک چھوٹے امرسر اینڈڈ کرتے یا کارڈیگین، ٹکنوں تک آتی لانگ اسکرٹ کے ساتھ ڈھیلی دھالی شرٹ اور اسکارف وغیرہ۔ آج بھی اس نے میرون اور براؤن چیک کا ڈھیلا دھالا ٹراوزر پیمن رکھا تھا، اور پر میرون گرم جیکٹ اسے بے حد باد قاربنا رہی تھی جبکہ ریچا حسب معمول مکمل انڈین اسکل

لیے ہوئے تھی۔ اس کی وجہ شاید اس کا انفرادیت کا شوق بھی ہو ورنہ اسی کی نیمی کی جانب سے ایسی کوئی خاص پابندی نہیں تھی۔ ایک حد میں رہتے ہوئے تو تو امریکن ڈریسز نیک سرور جیسی کل کی پاکستان سے آئی سکھی سمنٹی سی لڑکی بھی پس لیتی تھی۔ ریچانے چوڑی دار چست پا جامے کے ساتھ اتنا ہی چست اور ہمٹنوں سے اور پر ٹیلیو لیس کرتا پس رکھا تھا، جس کا گریبلان اچھا خاصاً کھلا تھا، کرتا جتنا مختصر تھا، چنانہ ہوا دوپہرہ اتنا ہی لبا۔ لبے بالوں کی چولی، ماتھی، میچنگ بندرا، فل میک اپ، ٹلا یوں میں بھر بھر کے پہنی کاچ کی چوڑیاں، پیروں کی پانیب اور لکھ ہوئے بندے۔ آس پاس سے گزرنے والے ہر شخص کو متوجہ کر رہے تھے اس کے ایسے ہی جیلے کے باعث ارباز الیاسی اسے چڑکے ”چھمک چھلو“ بھی کہا کر رہا تھا۔

”یہ سے تمہاری سو کالڈ مشرقیت، جس سے متاثر ہو کے وہ دنکے کا شخص۔۔۔ وہ منصف، مجھے باشیں سنارہا تھا، میرے ڈریس کو کریٹی سائز کر رہا تھا۔“

اب اس کی تملناہٹ کی وجہ پریتی کی سمجھ میں آئی۔ اس نے زراغور سے سارہ ڈیوڈ کا جائزہ لیا۔ چست بلیک ڈینم میں اس کی کمان سی کمرا اور سڈول نانگوں کی ساری خوب صورتی واضح ہو رہی تھی جبکہ باشت بھر کا آف شولڈر ناپ اسے بڑی حد تک عیاں کر رہا تھا۔ عرباں پشت پہنے ہائوزد عوت نظارہ دے رہے تھے۔

”تینیا“ اس نے یہ بھی کہا ہو گا کہ تم ایک ڈبل پر سالٹی کاشکار لڑکی ہو اور خود پر خول چڑھائے رکھتی ہو۔“ وہ جان گئی کہ مصنف نے وہ جو ایک ہی بات کی تھی دراصل اس کی بات اسے لوٹائی ہو گی۔

”ہاؤ یونسے“ اس کی آنکھیں جیرت سے پھیلیں۔ ”تاویلوٹ پار،“ منصف کا کہیں پتا ہی ہے، اس کے دل میں کچھ نہیں ہوتا، بس یو نہیں بولتا رہتا ہے۔“ ریچا نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا ”اور اپنے کلپر کے بارے میں وہ زیاد ہی تھی ہے۔“

”بھی نہیں ریچا! وہ کنزروٹو ہے اور وہی نہیں بلکہ

سب مسلمان ایسے ہی ہوتے ہیں ورنہ تم اور ارباز
دولوں ہی انڈین ہو، پھر تمہاری اور اس کی سوچ میں اتنا
فرق کیوں ہے؟ اس لیے کہ وہ مسلم ہے اور تم
نہیں۔ ورنہ پھر تو تم دولوں کا ایک ہے جب بھی
کبھار دسکو چلے جانے، ایک آدھہ پیگ پی لینے یا کسی
بوائے فریڈ کے ساتھ ڈیٹ پی چلے جانے سے تمہاری
ولیویوز پی کوئی بھلی نہیں گر جاتی تو اس اکیلے ارباز کا کچھ ہی
کیوں خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ وہی آنسراز سو سپل
سیلی کا زہی از مسلم۔ ”اس نے چباچبا کے کہا۔

”جہاں تک بھجے علم ہے سارہ۔ تم بھی مسلم ہی
ہو۔“ پریتی نے جتایا۔
”سارہ داؤڑا طرابلسی۔“

”فارگیٹ اٹ۔“ اس نے ہاتھ ہلایا۔ ”میرے
فادر ضرور مسلم ہیں۔ میں تیوس جاتی رہتی ہوں، وہاں
میں نے اپنی فادر کی فیملی میں ایک مسلم فیملی میں بھی وہ
سب نہیں دیکھا جو یہاں امریکہ میں ان مسلم فیملیز
کے ہاں دیکھتی ہوں جو پاکستان سے لعلق رکھتی ہیں۔
تو یونیورسٹی میں سب کچھ ہے، نائن کلب، بار، یکسینتو، جسے
مسجد یا کسی اور نہ ہی مقام پر جانا ہوتا ہے، وہ جاتا ہے
لیکن کلب یا یکسینو جانے پر بھی کوئی پابندی نہیں ہے
، جسے لانگ ڈریس کے ساتھ اسکارف لیتا ہو تا ہے تو
اُس اُوکے، وہ لے سکتی ہے لیکن وہ سرے ڈریس بڑے
ہئنے والیوں پر لعن طعن نہیں کی جاتی جیسے یہ پاکستانی
ترکتے ہیں۔ سخت بد تہذیب قوم ہے۔ اپنے کام سے
کام رکھنا بھی نہیں جانتی۔ وہ سروں پر تقدی کرنا اور زبردستی
ان پر اپنے فرسودہ نظریات ٹھوٹسا ان لوگوں پر فرض
ہے۔“

”لیکن ہمارے ساتھ تو منصف نے کبھی کوئی مسئلہ
نہیں پیدا کیا۔ ہاں تم سے اسے سیا پھر کہیں اس
سے کچھ پر اہل معز ضرور رہی ہیں، اس کی کوئی اور وجہ بھی
تو ہو سکتی ہے۔“

”یہ تم کہہ رہی ہو ریچا سین! ایک انڈین۔ تم
انڈینز اور پاکستانیوں کا جھگڑا تو بڑی مشور کہانی ہے اور
تم بھی پریٹی، بی کیسرفل۔ منصف کو میں نے اکثر

تمہارے آس پاس منڈلاتے دیکھا ہے۔“

”پلیز مجھے اس معاملے میں مت گھیشو۔“ پریتی
نے ہاتھ جوڑے۔ اس نے اکشاف نے اسے پوچھا
کہ رکھ دیا تھا۔ درحقیقت وہ خاصی اپنی آپ میں مگن
رہنے والی لڑکی تھی۔ ہو سکتا ہے سارہ کا مشاہدہ درست
ہوتا۔ اس نے بھلا کب غیور کیا تھا اور اگر ایسا ہی ہے تو
واقعی خطرے والی بات تھی۔ سارہ نے منصف کے
بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا، وہ تو اس کے
 مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھے جو اس کے پیا اکثر
مسلمانوں کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ فرق صرف
یہ تھا کہ سارہ کی تنقید کی زد میں صرف پاکستانی مسلمان
اور بالخصوص مسلمان مرد آتے تھے جبکہ ڈاکٹر ابھی کو
دنیا بھر کے مسلمانوں سے چڑھتی اور وہ پریتی کی دوست
لڑکیوں میں بھی کسی مسلمان لڑکی کا ہونا پسند نہیں کرتا
تھا۔ سارہ کی اس سے دوستی تقریباً دو سال پرانی تھی
اور باوجود اس کے کہ وہ نام کی حد تک ہی سی،
مسلمان کھلائی جاتی تھی، ڈاکٹر ابھی نے زیادہ تاک
بھوون نہیں چڑھائی تھی اس لیے کہ وہ اپنے مسلمان
باق کے بجائے پسوندی بال کے ساتھ رہتی تھی اور
اس کے زیر اثر تھی لیکن نیکم سرور سے اپنی دوستی کو
اس نے ماں کی برا بایت پہنچا یا ہو اتھا، ویسے
بھی اسی دوستی کو زیادہ وقت نہ ہوا تھا۔

”نہیں کوئی غلط فنی ہو سکتی ہے سارہ! سب
پاکستانی ایک جسمے نہیں ہوتے بلکہ ان فیکٹ کسی بھی
قوم کے سب لوگ ایک جیسی فطرت نہیں رکھتے، ہر
ملک اور قوم میں کچھ اچھے تو کچھ بے لوگ بھی ہوتے
ہیں۔ انڈیا اور پاکستان میں سفارتی اور سماں لحاظ سے
بھلے اختلافات اور تنازعات رہے ہوں لیکن میں از
شدت پسندی کی مخالف ہوں کہ اس کی وجہ سے سب
پاکستانیوں کو برآ بھلا کہا جائے۔ اس ملک کی اپنی ایک
منضبوط ثقافت اور ٹھووس پہچان ہے۔ میں نے وہاں سے
نی وی ڈرائے دیکھے ہیں۔ بہت کچھ انڈیا جیسا ہوئے
کے باوجود بہت کچھ الگ سا بھی ہے۔ تقریباً ایک
جیسی زبان۔ لیکن وہ لوگ کتنا صاف بولتے ہیں۔“

بھی قریب قریب ایک جیسا ہی ہے اور مالی گاؤں۔ وہاں ہمیں کس قدر ہے۔ اتنی خوب صورت عورتیں۔ تینیاں میں تو صرف فلمز اور لی وی پلے میں ہی دیکھنے کو ملتی ہیں جبکہ وہاں جا بجا پھیلی ہوئی ہیں۔

”ہاں“ اسی لیے وہاں کے مرد ایک کے بجائے چار شادیاں کرتے ہیں۔ ”سارہ نے مذاق اڑایا۔

”سارہ! کیا یہ واقعی ہے کہ مسلمان مرد چار چار شادیاں کرتے ہیں؟“ پریتی نے ہزار بار کی سنبھالتی تحقیق چاہی۔ وہ کوئی زیارتیوں کی ایک بڑی تعداد رہائش میزیر ہمیں لیکن، داکڑا بھے کی پہنچ دیدگی کی وجہ سے ان کا پڑکی مسلم فیملی سے برائے نام ربط بھی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں کے بارے میں وہ اتنا ہی جانتی تھی جتنا اپنے پیاس سے سن رکھا تھا، دوسری طرف منصف، نیلم، ارباب اور اس جیسے دوسرے جان پہچان والے مسلمانوں کے بارے میں وہ ذاتی طور پر جو رائے قائم کرنے کے قابل ہوتی، وہ اس سے یکسر مختلف تھی۔ وہ مسلمانوں کے بارے میں دہلی مائنڈ ڈھونکی تھی۔

”چار بھی کر لیتے ہیں اگر موقع ملے تو۔۔۔ ورنہ دوسری تو ضرور کرتے ہیں یوں تو دوسری شادی کرنے میں کیا ہے۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ لیکن ایک کے ہوتے ہوئے دوسری شادی۔۔۔ ڈس گسٹنگ بعض تو ایک ہی گھر میں دو دو تین تین یوں یا ایس رکھتے ہیں جیسے یہ نام استعمال کی چیزیں ہوں، جیسے بندہ وارڈ روپ میں بست سے ڈریسز لٹکا لیتا ہے کہ جب جو دل چاہے، پہن لیا جائے۔۔۔ یا پھر جیسے بونے ڈریں۔۔۔ ایک وقت میں مختلف زائلے“ اس نے کراہیت سے جھر جھری لے کے کہا۔ یہ وہ معاملہ تھا جس پر ریچا بھی منصف کے لیے سوفت کار فر رکھنے کے باوجود کچھ نہ کہہ سکی۔



”بائی داوے نیلم! یہ پارٹی ہے کس خوشی میں؟“ اپنیک ریچا کو بیٹھے بیٹھے خیال آیا۔۔۔ وہ سب اس وقت بکنی ہاؤں میں بیٹھے نیلم کے ہاں پارٹی میں جانے کے

لیے اپنی اپنی کنوئیں پر ایلم ڈسکس کر رہے تھے منصف اور ارباب کے لیے تو کوئی مسئلہ نہ تھا لیکن لڑکیاں رات کے وقت ٹیوب سے آنے میں اچکچار ہی تھیں۔ سارہ البتہ مطمئن تھی، اسے رات کے چیزیں بھی وقت گھر سے باہر رہنے میں کوئی پر ایلم نہیں تھی البتہ ریچا اور پریتی کے لیے مشکل تھا۔ پریتی چاہتی تو مغلل یا نمکھل میں سے کوئی بھی اسے ڈریپ کر سکتا تھا لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی پیلا تکمیل خبر کسی طرح پہنچ کے اس کے سرکل میں ایک ایسی مسلکم لڑکی ہے جس سے وہ اس حد تک قریب ہو چکی ہے کہ اس کے گھر تک آنا جانا شروع کر دیا ہے، دوسری طرف وہ نیلم کے اتنے پیارے دیے بلاوے کو مسترد بھی نہیں کر سکتی تھی سیئر ایلم بھی سارہ نے حل کر دی۔

”دونٹ وری یار! میں یام کی کار لے آؤں گی، دیے بھی انہیں جانا ہی کہاں ہوتا ہے۔“

”بائی داوے، نیلم! یہ پارٹی ہے کس خوشی میں؟“

ریچا نے پھر سوال کیا۔

”یہ انتظار پارٹی ہے، میرے بہنوئی نے خاصے بڑے پیانے پر کھی ہے، تپانے کہا کہ میں بھی اپنے فرینڈز کو انواستھ گرلوں۔“

”اوے۔۔۔ آئی سی انتظار، یو میں وہ جو تم لوگ اس پورے میں بھوکے پیاسے رہتے ہو، اسی کو انتظار کرتے ہیں ناں؟“

”تھیں۔۔۔ اس کو رمضان کرتے ہیں۔۔۔ سارا دن روزے میں رہنے کے بعد شام کو جب ہم کچھ کھاتے ہیں، آسے انتظار کرتے ہیں۔۔۔ نیلم نے صحیح کی۔

”تو اس کے لیے تمہارے جیجا جی کو اتنا بڑی پارٹی دینے کی کیا ضرورت تھی؟ نہ بکوڈھنڈورا بنا کے چیٹتا کوئی اچھی بات تو نہیں۔۔۔ ریچا پہ شاید سارہ کے اس دن والے لیکھر کا اثر تھا، سارہ نے اسے شتاباشی دیتی نظر ہوں سے دیکھا۔

”اس میں ڈھنڈورا پیٹنے والی تو کوئی بات نہیں مس ریچا!“ منصف سے رہانہ گپا۔ ”پارٹی میں تو ہوتی ہی رہتی ہیں اور پارٹی کے لیے کسی نہ کسی بہانے کا ہونا ضروری

کے ہوتی ہے۔ تم بھی جانتی ہو کہ یہ مخفی پریمیگنڈنڈ
ہے، صرف اس بات کو نیا دنار کر کر اسلام میں مرد کو چار
بیویاں رکھنے کی ایک خاص حالت میں اجازت ہے۔
اس بات کو غلط طریقے سے پھیلایا جاتا ہے۔

"ارباز کا کمنا درست ہے، پاکستان میں بمشکل دو یا
تین فی صد ایسے لوگ ہوں گے جن کی ایک وقت میں
دو سے زیاد بیویاں ہیں اور یہ بھی وہ لوگ ہیں جن کا
تعلق عورتوں سے ہے یا خاندانی مسائل اور راست
چکڑے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ اولاد یا
اولاد نرینہ کے لیے دوسری شادی کرتے ہیں ورنہ
پاکستان کا عام شری ایک بیوی اور اس کے اخراجات
ہی بمشکل اخنانے کے قابل ہوتے ہیں۔"

"یعنی اگر وہ اخراجات اخنانے کے قابل ہو تو وہ ایسا
کرنے کے لیے آزاد ہے؟"

"ہم۔" منصف نے بغیر لکھ کیا ہے جواب دیا۔
"یہ تو میں کہہ رہی تھی۔ ایک عورت کی کس قدر
تذلیل ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اس کی موجودگی
میں ایک دوسری عورت سے وہی رشتہ رکھا جائے جس
کا حق صرف اسے ہے۔"

"گربات صرف رشتہ کی ہے تو یہاں کتنے شادی
شدہ مرد ہیں جو گھر میں بیوی ہونے کے باوجود باہر
دوسری عورتوں سے تعلقات نہیں رکھتے! فرق صرف
اتنا ہے کہ امریکہ اور دوسرے ایسے ملکوں میں بیوی کے
ہوتے ہوئے دوسری بیوی رکھنے کی قانوناً" اجازت
نہیں البتہ گل فرینڈز کی تعداد پہلے باندی نہیں نہ اس
پیشہ ور عورتوں کی خدمات حاصل کرنے کی ممانعت
ہے۔ کیا یہ ایک بیوی کی تذلیل نہیں۔ مردوں کی کی
بات کریں۔ عورتیں خود کئی کئی بچوں کی ماں ہونے کے
باوجود مخفی ناممکنیاں کے لیے خود سے عمر میں چھوٹ
ہوائے فرینڈز رکھتی ہیں۔"

"تم جو بھی کو مکمل مسلم مرد بیویاں پالنے کے شوقیں
ہوتے ہیں۔ میں کسی دوسرے کا نام نہیں لیتی" اپنے
کی بات گرتی ہوں، سیدی داؤ دا اطرا بلکی کی۔ میرن۔
سے ڈالی ورس ہونے کے صرف دو ہستے بعد انہیں

بے۔ جب ہم اینی درسری پا بر تھے ڈے جیسے بے حد
پر شل ایونٹ پر دنیا جہاں کو الٹھا کر سکتے ہیں تو اظمار،
زمفہن اور عید جیسے موقع تو اجتماعی ہوتے ہیں۔ روزہ
صرف ہمارا نہیں، پارلی میں شامل ہمارے بیشتر درست
احباب کا بھی ہے۔ ہے "مل جل کر اظمار کرنے میں کیا
حرب ہے اور ہمارے مذہب میں روزہ رکھنے کا تو تواب
ہے، ہی۔ ساتھ ساتھ دوسروں کو اظمار کرانے کا دو ہرما
توبہ ہے۔"

"اور تمہارے ہاں بھی تو پوجا وغیرہ پر ایسا ہوتا
ہے۔" ارباز الیاسی نے گھر کا بھیدی لنکاڈھائے والی
باتیہ عمل کرتے ہوئے کہا۔

"تھیا انڈیا میں درگامیں کی پوچھا ہوئی، دیوالی وغیرہ پر
پارشیز نہیں ہوتیں؟ کیا تمہارے گھر میں ان تمہاروں
پر ملے کا سامنہ نہیں ہوتا؟"

"نہیں، پورا میئنہ تو نہیں البتہ کئی برت ہوتے
ضرور ہیں۔ لیکن وہ بھی سب کے لیے رکھنے ضروری
نہیں جیسے درگامیں کا برت، سنتو شی مال کا برت، اور وہ
کوچوچوچہ کا برت جو صرف میرڈ عورتیں رکھتی ہیں۔"

"پھر تو ٹھیک ہے، ورنہ پورا میئنہ لگاتار تیس
روزے رکھتا۔ اوس بورنگ اینڈ ہور ببل تم بھی
روزے رکھتی ہو نیلم؟"

"نہیں۔ آں، نہیں۔" وہ گزیراً گھنی۔ "سارے
نہیں، بھی رکھ لیا، بھی جھوڑ دیا۔" وہ سارہ کے سامنے
پونی کنیفیور رہا کرتی تھی، اسے ڈر رتا تھا کہ اس کی
کسی حرکت پر سارہ اسے بھی دیقاوی یا کنز روئیو
پاکستان نہ قرار دے دے۔

"منصف! کل سارہ نے ایک بڑے مزے کی بات
 بتائی کہ پاکستان میں ہر مرد کی ایک سے زیاد بیویاں ہوتی
 ہیں، کیا واقعی تمہارے ملک میں عورتوں کی تعداد اتنی
 زیادہ ہے؟" رہجا کے سوال پر ارباز نے اسے ملامت
 بھری نظریوں سے دکھا۔

"سارہ نے اگر بات کی تھی تو اسے اس کی لا علمی
قرار دیا جا سکتا ہے لیکن رہجا! نہیں تو ایسا نہیں کہنا
چاہیے تھا۔ ہمارے سے زیادہ، ہمارے کے گھر کی خبر

وسری شادی کر لی جبکہ میری ماں پچھلے تیوں سال سے آئی ہیں۔ انہوں نے دوسری شادی نہیں کی۔ "اس نے بتا کر فخر برداشت اداز میں سب کی جانب دیکھا۔ نیم کا تو بن نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس ان دیکھی عورت پر تینیت کے پھول پخادر کردا ہے۔

"ان کے شادی نہ کرنے کی وجہ اور یہ آنسہ سامنہ داؤد۔" اس نے جان بوجھ کے اس کے نام کو اس طرح پکارا۔

"گورنمنٹ کی طرف سے بیوہ اور مطاقت خواتین کے لیے مخفی فنڈ کے نام پر گھر بیٹھے بیٹھے جو الاؤنس بچھلے بارہ سالوں سے وصول کر رہی ہیں، ان کی دوسری شادی کی وجہ سے وہ الاؤنس ملنا خود بخوبی ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے وہ جس کسی سے بھی شادی کرتیں، وہ ایک نام امریکن ہی ہو تا جو یوی کو گھر بٹھا کے اپنی محنت کی سماں کھلانے کا ہر گز روادر نہ ہوتا خصوصاً" اس صورت میں کہ اس خرچے میں اسی عورت کی پہلی سے موجود ایک بیٹی بھی حصہ دار ہوتی اور خود جاب تک کے خرچا اٹھاتے ہوئے ایک میرڈ عورت کھلانے بیانے سے کمیں بہتر ایک مطلقہ بن کے مفت کی کھانا نہیں زیادہ بستر ہے۔"

اس کے کڑوے بھی اور سب کو تو سائب سونگھے ہیں کیا، خود سارہ بھی دم بخود اسے لتنی ہی درستگ و کچھے چن۔ اس حقیقت سے اوروں کی طرح وہ بھی واافت چکا لیکن کسی کو بھی یہ امید نہ ہے کہ منصف صاف بیلی کی اتنا کرتے ہوئے سب کے درمیان بیٹھ کے یہ بٹ کہے گا۔ سارہ کا حیرت سے سفید پر تا چھو رفتہ رفتہ پھر سے شرمندگی اور طیش کے لئے جلے جذبات کے تحت سرخ ہو گیا۔

"تم چیز انسان سے تم ساری گھٹیا ذہنیت اس سے بیٹھ سوچ بھی نہیں سکتی۔" اس کے پاس اس کے دن کرنے کو کچھ نہ تھا اس لیے وہ اٹھ کے چل گئی۔ بچانے ملامت بھری نظروں سے منصف کے حسن چرے کی جانب دیکھا۔ وہ لاپرواں سے شانے بیانے ہوئے کافی کے گھونٹ لے رہا تھا۔ ارباز نے خفگی بھری الجھن کو وہ سمجھنہ سن کا۔

بھی نہ کا۔

"یہ بھی ہے، ہم جانتے ہیں لیکن تمہیں یہ بھ کھلے عام کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اتنا روڑ ہونے سے پہلے یہ تو سوچ لیتے گے آفریقہ اسراہ ازاور فرینڈ۔"

"بھی میں نے پورا بھج بولا، ہی کہ ہے۔ دوسری شادی کے خلاف اتنا بڑھ چڑھ کے بولنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ یہ بہت سی صورتوں میں انسان کو کئی قباحتوں اور بے راہ روی سے بچاتی ہے اسی لیے ہمارے مذہب میں یہود اور مطلقہ کو جلد از جلد دوسرا نکاح کر دینے کا حکم ہے۔ یہ اپنی ماں کے تیوں سال سے اکیلے رہنے کو بڑے فخر سے بیان کر رہی ہے جیسے یہ کوئی کارنامہ ہو حالانکہ میں حلقویہ کہہ سکتا ہوں کہ ان تینوں سالوں میں بلا مبالغہ اس کی ماں نے تیوں بواۓ فرینڈ بدلتے ہوں گے، یہ اسے قبول ہے لیکن باپ کی دو ہفتے بعد کی جانے والی دوسری شادی تاقبل معاشری جرم ہے۔"

"یہ مسلمان خصوصاً" پاکستانی حد سے زیادہ بد تہذیب قوم ہے۔ اپنے کام سے کام رکھنا ان لوگوں کو آتائی نہیں۔ دوسرے کے معاملوں میں دخل اندازی کرنا اور زبردستی ان پر اپنے فرسودہ نظریات ٹھونسن اس کی عادت ہے۔"

سارہ کے کے الفاظ ایک بار پھر بیتی کے ذہن میں گوئے اور وہ ان پر ایمان لے آئی۔ منصف کتابخانہ کہ رہا تھا اور کتاب جھوٹ یہ الگ بحث تھی لیکن اسے سارہ کے اس طرح شرمندہ ہو کے اٹھ جانے پر حقیقتاً افسوس ہو رہا تھا۔

"نہیں، منصف کو اس طرح سب کے درمیان اسے ذیل کرنے اور اس کی مدد کی پرستی لائف ڈسکس کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔" بالآخر اس کے دل نے منصف کے خلاف اور سارہ کے حق میں فیصلہ سنایا اور وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ ارباز کو دلال سے مطمئن کرنے کی کوشش میں مصروف منصف نے چونکے اسے جاتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر چھائی خفگی بھری الجھن کو وہ سمجھنہ سن کا۔



اور یہ اس کے ٹھیک دس دن بعد کی بات تھی جب وہ ایک بار پھر ریجھا اور سارہ کے ساتھ شانگ کرنے آئی تھی۔ اس بار ان کے ساتھ نیلم بھی تھی۔ وہ چاہنے کے باوجود اس روز نیلم سرور کے ہاں انتظار پارٹی میں نہ جا سکی تھی حالانکہ جس کی وجہ سے اس کا جی مکدر رہا تھا۔ یعنی سارہ ڈیوڈ کی وجہ سے وہ آرام سے چلی گئی تھی۔ اس عید پر فلٹشک اور Park meadow میں جا کر عید فیشنول میں شرکت کرنے کا آئیڈیا بھی سارہ کا ہی تھا اور ریجھا کی طرح پریتی بھی لوستی کے ناتے ان کا ساتھ دینے۔ مجبر تھی، ویسے بھی پارٹی میں نہ آئنے کی وجہ سے نیلم اس سے ٹھیک ٹھاک ناراض رہی تھی، اس بارہ وہ ان کے پروگرام میں شامل نہ ہو کے سب کی ناراضی مول لیتا نہ چاہتی تھی۔

ریجھا کے لیے یہ فیشنول ایک رنگ رنگ اور دیپ پ تفریخ تھی، وہ پورے جی جان پے جیکس ہائیش میں شانگ کرنے میں معروف تھی۔

”آئی مست سے یار یہ امریکس کا انار کلی بازار ہے“ نیلم سرور نے انکشاف کیا۔ جیکس ہائیش کے اس کارنز میں سب ہی دکانیں، انڈن اور پاکستانی لوگوں کی تھیں، پرانے، سندھی اور بلوچی کڑھائی سے مزین کرتے اور بلاوڈ، بنارسی سازھیاں، حیدر آبادی سوت، اجرک، پشاوری چل اور اس کے علاوہ مختلف بوتیکس میں جدید انداز کے سلے شلوار سوت، یہ سب مکمل طور پر پاکستان کے کسی پر رونق بازار کا منتظر پیش کر رہے تھے۔

نیلم کی تیاری سب سے الگ تھی۔ بچھلے دنوں ہونے والی پارٹی میں اس کی بات بھی طے ہوئی تھی۔ ایک اور پاکستانی فیملی جو عرصہ دراز سے امریکہ میں میم تھی، ان کے بنس میں بیٹے سے یہ فیملی بھی عید فیشنول کی پریڈ میں شرکت کرنے آری تھی، یہی وجہ تھی کہ نیلم قابو شو خوش دیکھنے سے لعلت رکھتا تھا۔

ریجھا تو خیر تھی، ہی متنے سنور نے کی شو قین اور تو اور سارہ نے بھی اس موقع کے لیے نیلم کی پسند سے سفید نیٹ کا شرارہ سوت خریدا۔ البتہ پریتی کو لباس کا انتخاب کرنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ ریجھا اس سے اصرار کر رہی تھی کہ وہ اس کی طرح کھاگرا چول پہنے۔ لیکن پریتی کو اتنے ہجوم میں ایسا ذریں پہننا خاصا مشکل لگ رہا تھا۔

”تو پھر تم سازھی پہن لو۔ اگر بنارسی سازھی بھاری لگ رہی ہے تو اس طرف دیکھو“ اشارہ پس کی ساری کوئی کشن موجود ہے، یہ تکسی کی سمجھاتی سازھیاں، یہ کم کم کی شفون کی سازھیاں اور سیپاروئی کی۔ ”بھی۔ یہ سازھیاں وغیرہ تم کسی اور ایونٹ کے لیے رکھ چھوڑتا۔“ نیلم نے دخل دیا۔

”جیسے کہ میری انہیں نہ یہ عید ہے ڈیر، خالص مسلم توار، اس میں وہ ذریں پہن کے آؤ جیسا کہ مسلم ملکوں میں پہن جاتا ہے یہ دیکھو، آج تو ہماری فریض پرنس نے بھی شرارہ لیا ہے۔ چلو! کوئی اشانلش ساشلووار قیصیں ہی لے لو۔“

”خالص مسلم توار سے عید۔ جیسا ذریں مسلم ملکوں میں پہن جاتا ہے ویسا۔“

نیلم کے الفاظ ایک بار پھر پریتی کو بھرپور طریقے سے احساس دلا گئے کہ وہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ اس احساس کے ساتھ ہی وہ ایک بار پھر خوفزدہ ہو گئی۔ اپنے پیاس کے وہ سارے فرمودات تمام ترقیت کے ساتھ ذہن میں تانہ ہو گئے جو وہ مسلمانوں کے بارے میں دہراتے رہتے تھے۔ لیکن وہ اس بات کا اظہار اپنی دوستوں بالخصوص سارہ کے سامنے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جس کی ہندووں کے بارے میں رائے مسلمانوں کے مقابلے میں نسبتاً ”بہتر تھی۔ اس کے خیال میں ہندو مسلمانوں سے زیادہ آزاد تکر اور روشن خیال تھے۔“ اپنے پیاس کے تعصب کا ذکر کر کے یہ ایسی خراب نیٹ کرنا چاہتی تھی۔ ان ہی متفاہ سوچوں کے زیر اثر از نے چپ چاپ ان تینوں کے رحم و کرم پر اپنا آپ بچھیز دیا۔

”تمہیں پہلے بھی اس لباس میں کنی بارہ کہا ہے
مگن آج کے خاص دن کے حوالے سے یہ پہناہ بت
ی خاص بات لگ رہا ہے ... اور تم واقعی ”بہت
ذمہ“ لگ رہی ہو۔ پریتی۔“

منصف نے اسے دیکھتے ہی بے دھڑک تعریف کر
ڈال تھی، وہ نہ سی ہو گئی ... سارہ کی جانب دیکھتے
سے تو اس نے شعوری طور پر یہ اجتناب کیا، اس کی لئے
ترانیوں سے ودیے، ہی خائن فریاکتی تھی۔
”لیکن مجھے تو اس ڈریس میں تم نے پہلے بھی دیکھا
تھا نہیں مسٹر منصف علی تاریخ پھر کیا مجھے میں کوئی
غایص بات محسوس نہیں ہوئی؟“

سارہ نے بڑے انداز سے اس کے قریب آ کے
پڑھا۔ منصف نے ذرا غور سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ
باشہ بے حد خوب صورت تھی اور آج تو ایسے لگ رہا
تھا جیسے سندھ لالا کی ٹینسی ڈریس شوکے لیے مغلیہ
شہزادی ... یا انارکلی کا روپ بھر کے آئی ہو۔ سفید
شرارہ جو سلوٹنے کے کام سے بھرا تھا، اس کے آفت
نکر پہ غصب ڈھارہ تھا، بونڈ بالوں کا اندر ان اشائل کا
جوڑا اس کے فرج کث چہرے پہ بھلا محسوس ہو رہا
تھا۔

”ہاں واقعی“ اس ایسٹرن لگ میں تم بہت الگ
محسوس ہو رہی ہو اور خاص بات یہ ہے کہ تمہارے
چہرے کی خباثت آج غائب ہے“ وہ تو یہ ریمارک
ہے کہ جلتا بنا اور سارہ دیر نکل زیر لب بڑھانے کے اسے
بہیاں روئی رہی۔



”تمہاری ہمت کے ہوئی وہاں جانے کی ... کیا تم
بنتی نہیں بھی کہ وہ لوگ کون تھے ... کسی لیے وہاں
ٹھیک ہوئے تھے ... پھر کیا سوچ کے تم نے ان میں
بڑھانے کی غلطی کی ...؟“

نجانے کیسے ڈاکٹرا بھئے کو اس کے عید فیشنول میں
شرکت کرنے کی خبر ہو گئی۔ وہ عموا“ اس وقت گھر
کس آتا تھا لیکن آج خلاف معمول پریتی نے اسے

آتے دیکھا تو چونک اٹھی۔ اسے بھی گھر میں داخل
ہوئے ابھی دو تین منٹھے ہی ہوئے تھے ڈاکٹر بھئے نے
سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کے چیزوں کا جائزہ لیا۔
بلکہ بار ای رنگ کے خالص پاکستانی انداز میں سلے
شلوار قیص یہ سبز اور برابر اون دھانگے کی کڑھائی تھی۔
انھی دو رنگوں کا برباد سادو پہنہ اس کے شانوں پر پھیلا تھا۔
کھلے ہوئے سلکی بالوں کے ساتھ وہ خاصی تھیں لگ
رہی تھی اور حیرت انگیز طور پر نیلم سرو۔ یا کسی بھی
اور پاکستانی لڑکی جیسی بھی۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی
وہ کنی بار شلوار قیص پہن پچکی تھی۔ شاید یہ آج کے
خاص دن ... اور اس کے حوالے سے خاص طور پر تیار
ہونے کا اثر تھا۔

”مگر مکمل، اتل یا نکھل میں سے کوئی ایسی
 حرکت کرتا، دکھ تو مجھے تب بھی ہو تا انکہ اس کی شدت
اتھی تکلیف نہ ہوتی ... اور حیرت تو ہرگز نہ ہوتی۔
لیکن تم سے ... تم سے پریتی مجھے یہ توقع بالکل نہ
تھی۔“

”لیکن بیا ... میں تو بلیو می بیا ... میں جانا نہیں چاہتی
تھی ... وہ بنس ...“ اس نے تو پہلے سے سوچ بھی نہ
رکھا تھا کہ کیا بہانا بنایا جائے

”تو یہی تمہیں زردستی وہاں لے جایا گیا تھا۔“ ڈاکٹر
انہیں کے لیے میں طنز نہیاں تھا۔ نہیں نہیں نہ مداخلت کی۔
”بس بھی کرو انہی۔ ایک زرا سی بات یہ اس کی
جان ہی لے لو گے کیا؟“ تم نے کبھی اس سے اپنی آواز
تک میں بات نہیں کی اور آج ... دیکھو اس کی رنگت
کیسے زردو ہو رہی ہے۔ وہ پہلے ہی بہت خوفزدہ ہے۔“

”یہ خوف اسے تب گیوں نہ محسوس ہو اجب یہ
وہاں چھی تھی۔“

”وہ کہہ تو رہی ہے، اپنی مرضی سے نہیں گئی۔
زردستی والی تو کوئی بات نہیں لیکن بھی کبھی کوئی کام
انسان بہت بجبور ہو کے دوسروں کی وجہ سے بھی کر لیتا
ہے اس کے سب ہی کلاس فیلوز جا رہے تھے، ان
کے پریشانیں آکے چلی چھی۔“
”تو کیا اس کے سرکل میں بھی مسلمان ہیں؟ کیا

پوچھتے ہوں گے اور اگر وہ کوئی مسلم نہل آتا ہو گا تو
ضرور اسے باہر کارتے دکھادیتے ہوں گے۔

”لی ہی یور سلف پر تی!“

”نہا! آپ لوگ انڈینز ہیں ناں۔ میں انڈیا کبھی
نہیں گئی مگر سنایی ہے کہ وہ ایک یکولر دیش ہے کیا
یہ وہ یکول رازم ہے؟ اگر واقعی وہاں یکول راج ہے تو
وہاں کے رہنے والوں کے ذمہن یکول رازم کو تعلیم کیوں
نہیں کرتے؟ لیکن نہیں۔ ایسا شاید سب کے
ساتھ نہیں ہو گا۔ آپ لوگوں کے کتنی ہی انڈین
فینیز کے ساتھ اچھے ٹرمز ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ
انکل شربا کے گھر میں دو دو مسلمان سونوٹ ہیں۔ ان کا
وہر م تو بھر شست نہیں ہوتا ان کے ہاتھ کا کھانا کھا کر۔
آنٹی پدم کے ہاں پارلی پر کتنا ہی مسلمان آنڈیز بھی
تھیں۔ کوئی بھی اپنے بچوں پر یہ روک ٹوک نہیں لگاتا
کہ مسلمان سے دوستی نہیں رکھنی یا پارکی سے
تعلقات نہیں بڑھانے۔ میرے بھی کئی انڈین فرینڈز
ہیں، کسی کو اپنی قیملی سے ایسی روک ٹوک کا سامنا نہیں
کرنا پڑتا۔ اس کا مطلب ہے سب ہی ایسے متعصب
نہیں۔ پھر بتا نہیں بیان کی ایسی محدود سوچ کیوں ہے؟“
”پر تی!“ داکڑ نہماں کو واقعی حیرت ہوئی کیونکہ پر تی
بیشہ سے پیاز بے لی رہی تھی۔ باب کی بست سے باہر
سے اختلاف رکھنے کے باوجود اس نے بھی کھل کے
ایس کا ظہمار نہ کیا تھا اور آج اس کا دو عمل ایک تھی چند
تھی۔

”آخر سارہ بھی تو لاست دیوالی پر میرے گھر تھی۔
اس کا دھرم تو بھر شست نہیں ہوا رپ جلاتے اور بھگز
گلتے ہوئے۔“

”اس کا تو کوئی دھرم ہے، ہی نہیں، اس لیے سارہ ز
بات مت کرو۔ یہ بات تمہارے بیان بھی جانتے ہیں۔
اسی لیے انہوں نے اس کے گھر آنے پر کوئی اعتراض
نہیں کیا تھا لیکن پر نیلم۔ اور تمہارے دوسرے ہے
مسلم فرینڈز نہیں پتا تھیں وہ کسے لوگ ہیں؟ تمہارے
اسی لیے ٹکر مند ہیں، تم نہیں جانتیں، یہ مسلموں
دوسروں سے دوستی بغیر کسی مطلب کے نہیں کرتے۔“

دوستی کرنے کے لیے اور کوئی نہیں رہ گیا؟ جبکہ میں
نے ان چاروں کو شروع سے ہی واضح الفاظ میں بتا دیا تھا
کہ ان لوگوں سے دور ہیں۔ یہ ہماری دوستی کے قبل
نہیں۔ کیا سوچ کے اس نے مسلم لڑکے لڑکوں سے
دوستی رکھی۔“

”لیا! میرے انڈین اور امریکن فرینڈز۔ سب ہی
ساتھ میں تھے۔ ان فیکٹ ہم کلاس فیلوز سب ہی
توہار ساتھ ساتھ ملتے ہیں۔ اپسٹلی ایشین
سرکل میں یہ بات زیادہ دیکھی کئی ہے کیونکہ ان میں
زیادہ تر لوگ اپنے دیش سے دور ہوتے ہیں، انہیں
ہوم سک فل نہ ہونے پائے؟ اس لیے ہم سب مل کے
ان کی خوشی ملتے ہیں، پھر چاہے وہ ہوں ہو، دیوالی ہو
کر سکس یا الیٹر ہو یا پھر عید۔“

”ہوئی ہو۔ دیوالی ہو۔ کر سک ہو۔ یا پھر جا ہے
الیٹر ہو۔ مگر پر تی دیوان۔ عید نہیں، عید بھی
نہیں۔“ اس نے پر تی کے نزدیک آتے ہوئے ایک
ایک لفظ پر نزدیکی تھی۔ کہا وہ سر جھکا کے رہ گئی۔

”یہ تمہاری پہلی غلطی تھی۔ اسی ہے آخری بھی
ہو گی، ورنہ آئندہ میری جانب سے کسی نزدیکی کی توقع
مت رکھنا۔ میں تم لوگوں کو اور سب کچھ دے سکتا
ہوں، ہر قسم کی آزادی، ہر طرح کی آسائش، تمام
سو لیتیں۔ مگر اپنا دھرم بھر شست کرنے کی اجازت
نہیں دے سکتا، مرتبہ دم تک نہیں۔“

وہ دبڈبائی آنکھوں سے ڈاکڑا بنتے کو باہر ہلکتا دیکھتی
رہی، جو شاید یہ خرملتے ہی صرف اسے باز پرس کرنے
ہی گھر آیا تھا۔ اپنی بے شمار مصنوفیات میں سے وقت
نکل کر اس کی برہمی کا سارا اغبار پر تی نے مل کے
سامنے نکلا۔

”آئی کاشٹ انڈر اسٹینڈ کہ پیا بھی بھی ایسا لی ہو
کیوں کرتے ہیں۔ کہیں اسے وہ ایک انجوکھیڈ، ہائی
کوائی فائڈا دا کڑ نہیں للتے۔ بلکہ کسی پرانے سے مندر
کے پنڈت مہاراج للتے ہیں۔ آئی سویر، وہ ہاپٹل میں
آنے والے ہر بہشت سے بھی اس کی بیماری یا
تکلیف کے بارے میں پوچھنے کے بجائے اس کا دھرم

یہ جس سے بھی رابطہ برھاتے ہیں، اس کا مقصد صرف ایک ہی ہوتا ہے یعنی اسے کچھ راستے سے ہٹا کر اپنے دھرم پر لانا۔ تمہارے فرینڈز بھی جلد ہی ایسی کوشش کریں گے ابھی کو بھی یہی ڈر ہے۔“

”ایسا کچھ نہیں ہوتا ما! پلیز آپ تو پیا جیسی باتیں مت کروں۔ ایک دوسرے کے تواروں میں صرف خوشی شیر کرنے کی غرض سے شامل ہو لینے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مجھے یا میں ان کو اپنے دھرم کی طرف چھینجنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نہ سارہ میرے ساتھ دیوالی مناتے ہوئے میری دیکھا دیکھی رام کے آگے ماتھائیک سکتی ہے۔ نیلم کا مجھ پہ ہولی کے رنگ اچھانا الگ بات ہے لیکن وہ میرے ساتھ گیتا کے اشلوگ نہیں پڑھ سکتی۔ اسی طرح میرا اس فیشول میں شامل ہونا جست آفون تھا، میں ان کے ساتھ نماز تو نہیں پڑھنے گئی تھی نہ ہی وہ مجھے اس پر مجبور کر سکتے ہیں۔“

”میں کچھ نہیں جانتی۔“ نینا بالآخر نزج ہوا تھی۔ پل سے وہ بھی اپنے پتی کی بے جاروک ٹوک سے نالاں پھی لیکن اس کی شدت پسندی، مخالفت کی وجہ سے زیادہ زور نہ پکڑ جائے اسی لیے ہر ممکن حد تک کوشش کرتے ہوئے مفاہمت کی نضاید ایکے رکھتی۔

”بلیں مجھے اتنا پتا ہے کہ ابھی کو یہ پسند نہیں۔ وہ تمہارے پتا ہیں تمہارے لے اتناسب کچھ کرنے کے بعد وہ صرف اتنا ہی تم سے مانگتے ہیں کہ تم ان کی پسند کے لوگوں سے ملوتو نہیں اس کا احترام کرنا چاہیے۔“

”لیکن اس کی کوئی لا جگ بھی تو ہو۔“

”پریتی!“ تیک آکے نینا کو بھی اپنا الجہ سخت کرنا تراہ دوئے اس کی کوشش ہوتی تھی کہ ابھی کی سخت گیری کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ اولاد کے ساتھ اپنا رویہ زیادہ سے زیادہ دوستانہ رکھے۔ بچوں میں سب ہے زیادہ ذہنی، ہم آہنگی بھی اس کی پریتی کے ساتھ ہی تھی حالانکہ وہ پیاسا کی لاڈلی تھی۔ لیکن آج پہلی بار وہ پریتی کا بدلا ہوا رویدیکھ رہی تھی۔ وہ بھی نہنماں کی طرح مفاہمانہ رویہ رکھتے ہوئے داکڑا بھی کی ہر پسند ناپسند پہ بلاچوں و چڑا نسل کیا کرتی تھی۔ یہ باغیانہ تبدیلی اس میں کب

اور کیسے آئی، یہ اسے پتا ہی نہ چلا۔ خود رہتی بھی اپنی سوچ کے اس نئے رخ کے بارے میں لا علم تھی۔

”میں حق کہہ رہی ہوں ما! اپنے دھرم پر کثرہ نہ۔“

یہ بات بھی میں آئی ہے۔ اگر پہلا دوسرے تمام دھرم کے لوگوں سے مجھے الگ رہنے کا حکم دیں، تب بھی یہ بات تھیک لگتی ہے کہ وہ اپنے دھرم کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اچھا میں سمجھتے۔ یا انہیں ڈر ہے کہ ان کے پچ کی دوسرے دھرم کا اثر نہ قبول کر لیں۔ لیکن یہ بات بھی میں نہیں آئی کہ ان کے سرکل میں کرپچین فرینڈز ہو سکتے ہیں تو مسلم کیوں نہیں۔ وہ اور ان کے پچ کر سکتے ہیں تو عید کیوں نہیں۔ مکمل خوارث پاٹ پر کر سکتے ہیں۔ میں تو اپنے فرینڈز کے ساتھ سہلبریٹ کر سکتے ہیں تو عید کیوں نہیں۔ مکمل خوارث پاٹ پر کر سکتے ہیں۔ اپنے امریتین فرینڈز کے ساتھ انجوائے منڈ کے نام پر جو ہلباڑی کرتا ہے، وہ تھیک ہے لیکن میرا اس سادہ سے تواریں میں بے ضرر سا شامل ہو جانا غلط ہے۔

بکھل کے بارے میں اگر پیاسا کو علم ہوتا ہے کہ وہ کل رات ڈرنس کر کے آیا تھا تو وہ ہلکی سی سرزنش کر کے چھوڑ دیتے ہیں لیکن اتل کے بارے میں خبر ملتی ہے کہ وہ ایک مسلم ریشورت میں بربانی اور چکن تندوری کھا کے آیا ہے تو پیاسا سے سب کے سامنے چھپڑا رہ دیتے ہیں۔ یہ ڈبل اسٹینڈرڈ ٹھنڈنگ نہیں تو اور کیا ہے۔ سارہ اور ریچا جب دلنشائی پارٹی میں مجھے ساتھ رہے جانے کے لیے پیاس سے پریش لینے آئی تھیں، تب مجھے ایک پرمنٹ تھی امید نہ تھی، پیاس کے مانے کی۔ لیکن انہوں نے پریش دے دی۔ دلنشائی کیا ہے؟ کیا یہ ہمارے دھرم میں ہے؟ نہیں تاں پھر ہم اسے سہلبریٹ کیوں کرتے ہیں؟ کیوں پیاس آپ کے لیے گلاب لاتے ہیں اور کیوں آپسیا کو کارڈیتی ہیں۔ اور لیے تاں کہ ان باتوں سے آپ کے دھرم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسی طرح عید فیشول پر جانا بھی میرے لیے میرے فرینڈز کے ساتھ ایک پارٹی میں جانے سے زیادہ اور پچھے نہیں تھا۔ اس سے دھرم توکیا، میرے پچھے اور ویلیوز تک میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ لوٹ۔ بہت سی باتوں میں ہمارے جیسے ہیں اپسٹلی پاکستان۔

مسلمان ان سے میں کوئی بڑی بات کیسے سیکھ سکتی ہوں ہے؟

ڈاکٹرنینہا کی آواز بلند ہو گئی۔ ”تمہیں محفوظ رکھنے کی کوششوں کا مطلب یہ ہے کہ تم اب ہم پر ایسے الزام نہ کوئی۔“

”لیکن آپ ہم لوگوں کو کس سے محفوظ رکھنا چاہتی ہیں۔ ہم یہاں کے مقامی لوگوں سے تعلقات قائم ہیں کر سکتے کہ وہ ہم سے مکمل مختلف ہیں۔ آزاد ہیں بے راہ رو ہیں۔ لیکن جن کا لکھر اور مول دیلویز ہم سے میل کالی ہیں، ان سے بھی ہم نہیں مل سکتے کہ آپ کو ہمارے دھرم بھر شد ہونے کا خطرہ ہے۔ فارغ گاؤں سیک ماں کوئی یونی اپنے دھرم سے نہیں پھر جاتا۔“

”بھی کبھی ایسا بھی ہو جایا کرتا ہے پریتی! تم ان مسلمانوں کو نہیں جانتیں۔ یہ دوسرے تو بہلا پھسلا کے اس حد تک مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ۔“

”اوکم آن ماں! میں کوئی دودھ پیتی پہنچ نہیں بلکہ کوئی بھی شخص مخفف کسی کے بہلانے پہلانے میں آکے اپنا دھرم میں بدلتا۔ ہاں اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی کوئی خاص وجہ ہوتی ہو گی۔ میرے پاس ایسی کوئی وجہ نہیں۔ میں اپنے دھرم اور سنگاروں سے پوری طرح مطمئن ہوں، آتنی ہی جنین کہ آپ اور بیانی۔ آپ بتائیے کہ کیا آپ کے پاس بھی اپنا دھرم بدلتے کی کوئی وجہ ہو گی؟“

”شٹ آپ پریتی!“ آخر نینہا کے صبر کا پیمانہ لمبڑا ہو گیا حالانکہ وہ بڑی محمل مزاج عورت تھی۔ پریتی کو بھی احساس ہوا کہ وہ آج ضرورت سے زیادہ ہی بول رہی ہے۔

”فارغیٹ اٹ ماں! پتہ نہیں ہم یہ بے کار کی بحث کیوں کر رہے ہیں۔ آئی ایم ساری الگ میں نے کچھ ایسا کہہ دیا ہو جو مجھے نہیں کہنا چاہیے سے تھا۔ ان فیکٹ میں آپ کو صرف یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ اپنے اتنے سالوں کی تربیت سے آپ کو اور بیان کو اعتماد ہونا چاہیے۔ آپ نے نہیں انکی پکڑ کے چنان سکھایا ہے۔ ہم اب اس عمر تک آگئے ہیں جب آپ کے بتائے رستے پر خود بخود

”تو کیا تمہارے سیما غلط کرتے ہیں؟“

”لیں ہی از رانگ“ اس نے بلا توقف کہا۔ ”ٹوٹی رانگ، پسلے میں بھی آنکھیں بند کر کے ان کی ہر بلت مان لیا کرتی تھی چاہیے وہ میری سمجھ میں آئے یا نہ آئی تھی۔ شاید اس لیے کہ تب میں صرف دس سال کی تھی لیکن جلد ہی میں اس کی وجہ جان گئی۔ جب اسکرٹیں پہن رہی ہیں جب کہ میری ڈرنسنگ چنچ ہو چکی تھی۔ میں اتنے کے اشارت میں ہی انہوں نے دیت۔ جانا ڈسکو میں وقت گزارنا اور ڈرنس لیتا شروع تک ریا تھا تب میں اپنے اور ان کے درمیان فرق کو حیاں پائی اور یہ بھی کہ مجھے ان سے دور رکھنے کی وجہ کیا تھی۔ بہت سی انڈیں فیلیز جنہوں نے یہ تکلف نہیں کیا، آج ان کی نیوجنزیشن بالکل امریکہ کے رنگ میں رنگ چکی ہے۔ اپنا لکھر اور پہچان بھول چکی ہے، صرف ہم اور ہمارے جیسے دوسرے لوگ اپنی پہچان باتی رکھ پائے ہیں اور ایسے میں میں اپنی پاکستانی فرینڈز کے ساتھ زیادہ اچھا محسوس کرتی ہوں گیونکہ ان کی اندار بالکل ہمارے جیسی ہیں۔ یہی وجہ ہے میرے ان سے قریب ہونے کی۔“

”آج تمہیں ان کی بہت سی باتیں اچھی لگ رہی ہیں۔ کل کو ان کا دھرم بھی اچھا لئے لے گا۔“

”ان کی بہت سی باتیں مجھے اس لیے اچھی لگتی ہیں ہاں! کہ میں ان بہتوں کے بارے میں جانے کی بول اور وہ بالکل ہمارے جیسی ہیں لیکن ان کے دھرم کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی نہ ہی وہ ہمارے جیسا ہو گا، پھر آپ کو ڈر کس بات کا ہے؟ آپ اور بیان نہ ہو اتنا غیر محفوظ سمجھتے ہیں۔“

”تم سے کس نے کہا کہ ہم خود کو غیر محفوظ سمجھتے

و خوش بھر دیا تھا۔ وہ واحد تھی پورے گروپ میں جو انگیج ہونے جا رہی تھی۔

”کم تینوں مہینوں کی طرح عین وقت پر ہرگز نہیں آؤ گی۔“ تھیں صبح ہی آتا ہو گا اور سارا دن میرے ساتھ گزارنا ہو گا، سن لی۔ میں ابھی سے بست نہ سہو رہی ہوں۔“

”دوٹ وری یار! ہم تینوں ہی تمہیں صبح آکے جمائیں گے بلکہ میں تو پار لر بھی تمہارے ساتھ ہی جاؤں گی۔“ ربعانے اپنی اضافی خدمات پیش کیں اور پریتی سوچ میں پڑی کہ ابھی تو عید والا واقعہ ٹھنڈا نہیں ہوا، وہ گھر میں اس مٹکنی پر جانے کا ذکر شروع کر کے کیسی پھر سے یہ تنازعہ نہ چھیڑ دے۔ لیکن ذکر تو اسے کرنا ہی تھا، اس کے بغیر اجازت لمنا مشکل ہوتا۔ بہت غور کرنے کے بعد اس نے پسلے میں سے بات کی۔ ڈاکٹر نہیں اس کا مدعا جان کر ایک گھری سالسی بھر کے رہ گئی۔

”بھروسہ! بات پریتی! تم کب بھجو کی کہ فارگیٹ اٹ بے لی؟“ ابھی کبھی اس کی پریشان نہیں دے گا اور عید والے کو افغان کے بعد تو ہرگز نہیں۔“

”کیا اپاس نہیں ہو سکتا کہ ہم انہیں نیلم کے بارے میں نہ بتائیں۔“ اس تجویز پر نہیں نہیں پلٹ کے اسے ایسی نظریوں سے دیکھا کر وہ شرم مند ہو گئی۔

”آئی میں انہیں صرف یہ بتایا جائے کہ میں اپنی کسی ایکس والی زیڈ فرینڈ کی اینجینئنر میں جا رہی ہوں۔“

”اس ایکس والی زیڈ کا نام تو ابھی ضرور جانتا جا ہے گا۔ وہ اب اور بھی محتاط ہو چکا ہے۔ پسلے وہ تم یہ آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتا تھا۔ اب مکل اور نکعل کی طرح وہ تم پر بھی نظر رکھنے لگا ہے۔ اس لیے تم اتنے بیبا کو دھوکا دیئے کا خیال مل سے نکال دو۔“

”بتیو قی“ میں انہیں دھوکا میں دینا چاہتی۔ ہال میں ایک جھوٹ بول رہی ہوں لیکن آپ کو بتا کر میر کی بوائے فرینڈ کے ساتھ بھاگ ہیں رہی۔ این ایک فرینڈ کی خوشی میں شامل ہونا چاہتی ہوں مگر اس کا حل نہ ٹوٹے۔ پلیز ما! یہ میری عزت کا بھی سول

آگے بڑھ سکیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم میں اچھے اور بے کی تیز نہیں رہی اور کوئی بھی با آسانی آپ کے بھوں کو درغلا سکتا ہے تو پلیز میری آپ دونوں سے ریکووٹ ہے کہ آپ ہمیں لے کر میں مت رہیں۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

”مطلوب یہ کہ ایک ایسی جگہ“ ایسا ملک جہاں ہر جانب سے ہمارے دھرم اور رست روایج کو نہیں پہنچنے کا خطرہ ہو،“ وہاں رہنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ نبیارک کے اس کوئے میں اپنا الگ بھارت بنانے کے بجائے ہم بھارت، ہی کیوں نہیں چلے جاتے۔“

”فضلول باشیں مت کرو پریتی!“ ڈاکٹر نینا کے چہرے کی رنگت ایکدم متغیر ہوئی۔

”کمال ہے“ اپنی جنم بھوی جانے کی بات کرنا فضول ہے۔“ اس کی سمجھی میسو یہ نہیں آتا تھا کہ مکمل طور پر بھارتی ماحول اور سوچ رکھنے والے اس کے ماتا پاہا اپنے دلیش بھارت جانے کے نام سے چکچا تے کیوں ہیں۔“

”بھارت تمہاری جنم بھوی نہیں ہے۔“ نہیں جلد ہی خود پر کشوول کیا۔

”سوواٹ، آپ کی تو ہے،“ ہمارے پرکھوں کی تو ہے۔“

”اب وہاں ہمارا کوئی نہیں رہا۔“ اس کی آواز میں مال کھل گیا۔

”یہاں بھی تو ہمارا کوئی نہیں۔ ہال دوست ہیں تو دوست تو وہاں جا کے بھی بنائے جاسکتے ہیں۔“

”پریتی! تم اتنی کچ بحث اور ضدی کیوں ہو گئی ہو۔ پسلے تو ایسی نہ تھیں۔“ نہ بے بسی سے کہ ابھی تو پریتی حقیقتاً ”شرمسار“ و کرچپ ہو گئی۔



”نیلم کے لیے تو اس کے جیجا جی کی پارٹی بڑی بھاگوں رہی۔“

ریچانے تبرہ کیا۔ عید کے اگلے ہی ہفتے نیلم کی منتقلی طے ہو جانے کی خبر نے سارے گروپ میں جوش

چاہے۔ کیوں نہنا؟ کیا خیال ہے؟۔ تیاری کریں کنیا
دانگی؟”

”بڑی دیر سے خیال آیا تمہیں ابھی۔ درندہ میں تو
بہت پہلے سے اس بارے میں نکر مند تھی موراصل تم
نے پریتی کو ہمیشہ سے ایک بچی کی طرح رُست کیا ہے
اس کیے تمہیں یہ حقیقت جانے میں کچھ وقت لگا۔“

”ہل شاید اور اب بھی یہ خیال آتے ہی میرے مل
کو کچھ ہونے لگا۔“ وہ اوس ہونے لگا۔ تو مکمل
نمایا عمل کو خوشگوار کرنا چاہا۔

”کم آن پیلا! ہم پریتی کی برائی نہیں کریں گے، اس
کیلے گھر جائی ڈھونڈ لیتے ہیں۔“

”آف کورس، آخر ہماری ایک ہی توبہن ہے۔“
نکھل نے بھی تائید کی۔

”پلیز اسٹاپ اٹ،“ میں کیا بات کرنے آئی تھی، اور
آپ سب نے یہ کیا ذکر چھیڑ دیا۔ پریتی جنمبلہ گئی۔
”مُمت تھک کرو میری بی کو۔“ نہیا نے میوں کو
سر زدن کی۔

”اوکے بیٹا! یوے گو۔“ یا تو ابھے واقعی کچھ روز
پہلے والی پریتی کی عطا می معاف کر دکا تھا اس گنتگو نے
اے بھلا دیا تھا۔

”اوہ ہمینس لیا!“ اس کے نیبل سے انٹھ کے
جانے کے بعد نہیں نے پھر سے وہی موضوع چھیڑ دیا۔
”مشکر ہے بھگوان کا،“ تمہیں بھی بی کے جوان
ہونے کا احساس ہوا۔ اب کم از کم میں اس کے ہاتھ
پلے کرنے کی فکر میں اکمل نہیں ہوں۔“

”مگذ گاؤ۔ مامانے تو نہیکل انڈیں فلنگ کی لاچار
اور بے بس، اوس ولے ڈائیلاگ بولنے شروع کر
 دیے ہیں۔“ اس کے بیٹھے اکنہاٹ کا انہما کرتے پریتی
کے پیچھے ہی باہر نکل گئے۔

”اس میں استازیاں فکر مند ہونے والی کون سی بات
ہے نہیں؟“

”بیٹھی کا معاملہ ہے ابھے اور ہم اپنے دیش سے بہت
دور اپنا ایک الگ سنار بنا کے بیٹھے ہیں۔ نہ یہ دیش
ہمارا ہے نہ یہ سماج۔ رشتہ ڈھونڈنے نکلو گے تو پتا چلے گا

ہے۔ ہمارا سارا اگر وہاں ہو گا۔ میں اپنے نہ ہونے
ہی پا رہیں بتاؤں گی۔ آئی پر امس، اس کے بعد میں
بستہ آہستہ پیا کی خواہش کے مطابق اپنے مسلم
فرندز سے کم سے کم تعلق رکھنا شروع کر دوں گی۔
ب ایک دم سے کیے۔ وہ کیا سوچیں گے دیے
غمی یہ میرا لاست سمسز ہے۔ اس کے بعد ہم کہاں
ہے کہل۔“

”اوکے، آئی مل ڑائی۔“ ناچار نہیا نے اس کی مدد کا
بتمہ کر لیا۔

”تمہاری دوست کی متنقی؟“، ”اکثر ابھے حیرت سے
کہہ کے رہ گیا۔ اس کا نوالہ بتاہاتھ بھی وہیں رک
سیا۔“ اکثر نہیں نے اپنے سے اس کا رو عمل دیکھا۔

”اس میں ابتا حیران ہونے والی کیا بات ہے،“ کیا
تھیوں کی متنقی نہیں ہوا کرتی۔ یا پھر پریتی کی کسی
دوست کی متنقی نہیں ہو سکتی؟“

”میں حیران اس بات پر ہوں کہ ہماری پریتی اب
تھی بڑی ہو گئی۔“ کل تک اس کی فرندز کی بر تھڈ دے
پر نیز ہوا کرتی تھیں جن میں جلنے کی یہ پریش لیا
تھی تھی اور آج۔ متنقی۔ کل شادی۔“ وہ خوش
تھے نہیں دیا۔

”اس کا مطلب ہے اب ہماری پریتی بھی بیا کے
تھی ہو گئی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے نہیا کی
چب دیکھا۔ اس نے بھی تائیدی انداز میں سر لیا۔
نہیں کو نجا نے کیوں ہو نوں کی مسکراہٹ سے الجھن سی
شوسی ہوئی۔

”پلیز بیا! بتائیے میں۔ میں چلی جاؤں،“ اس نے
جسے پورے دن کے لیے بایا ہے۔ وہ اندر رہی اندر رہڑ
می رہی تھی کہ میا اس سیلی کا ہاتھ پوچھ لیں۔ اگرچہ
وہ بعثت بولنے کا ارادہ کر چکی تھی اور دل میں ایک
چیخ بندوستانی نام بھی سوچ رکھا تھا پھر بھی اندر کا چور
ہمراہت میں جلا کر رہا تھا۔ لیکن ابھے کا دھیان بٹ
جسے قتل وہ نئے نئے سوچتے اس خیال سے پوری طرح
خاندوز ہو رہا تھا۔

”جسی اب ہماری راتوں کی نیند بھی اڑ جانی

کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔

”ہماری پریتی میں کس بات کی کی ہے، وہ سند رہے پڑھی لکھی ہے؟ اچھے پریوائر سے ہے۔“

”کمی ہماری پریتی میں نہیں ہے، کمی اچھے لذکوں کی ہے۔ آج اگر ہم اپنے دلش میں ہوتے، اپنی ذات برادری کرنے۔ اپنے پریوائر کے ساتھ سے تو یہی کام ہو جو آج مشکل لگ رہا ہے، لتنا آسان ہوتا۔ تم خود سوچو۔ یہاں کتنے ہندوستانی پریوائر ہیں۔؟ اور ان میں سے کتنوں کو ہم جانتے ہیں؟۔ اور جن کو ہم جانتے ہیں ان میں سے مکتنے ہماری ذات کے ہیں؟ کیونکہ تم بہمن ذات کے علاوہ تو کسی کو جمالی نہیں بناؤ گے اور اگر بھگوان کی کریا سے اپا پریوائر مل بھی گیا تو یہاں نہیں لڑکا کیسا ہو۔ ضروری تو نہیں کہ وہ بہمن ہیں تو ہماری طرح انہوں نے بھی امریکہ میں رہتے ہوئے اپنے سنکاروں اور ریست رواجوں کو باقی رکھا ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ یہاں بننے والے ہندوستانی اپنادیش اور سنکرتی تو ایک مرف، دھرم تک کو بجلائے چکے ہیں۔ جس بھی کو تم زبائیں تیس سال تک دھرم کاپالن کرنا سکھایا ہو، اچھے سنکار دیے ہوں اور پھر اتنی محنت سے ان پر قائم رہنا سکھایا ہو، کیا اسے ایسے گھر میں بے دلے لو گے؟“

”کہتی تو تم ٹھہر ہو۔“ وہ بھی سوچ میں ڈگیا۔

”سب ہی لوگ ماس کھاتے ہیں، مٹن چکن سب چلتا ہے ان نام۔ بہمنوں کے گھر میں، ان کی نئی نسل پوچاسے کو سول لوار ہے اور تو اور انہیں گانتری منتر تک نہیں آتا اور ہماری پریتی۔ گیتا کے سارے اشلوک کسی مدھرتا سے گاتی ہے۔ میں اپنی الیکی، ہیرا کی بھی ایسے لوگوں میں تو نہیں کا بھی نہیں۔۔۔ لیکن کوئی تو ہو گا ایسا جسے بھگوان نے خاص ہماری بھی کے لیے بنا رکھا ہو گا، اتنے بڑے اور رنگارنگ دلش میں کیا ایسا ایک بھی نوجوان نہ ہو گانہنا! جو ہماری پریتی کے لائن ہو؟“

”کیوں نہیں؟ ضرور ہو گا،“ وہ بھی سکتا ہے۔ لیکن اتنے بڑے اور رنگارنگ دلش میں اس اکیلے نوجوان کو

ڈھونڈنا کوئی آسان کام نہیں۔ اگر ہم آج ہندوستان میں ہوتے تو یہی کام بے حد آسان ہوتا۔“

”ہاں۔۔۔ لیکن اگر ہوتے تو۔۔۔“ ساری بات اسرا ہی کی تو ہے شریعتی جی۔“ وہ اداں ہو گیا۔ نہنا جانتے۔۔۔ کمی کہ ہندوستان کا ذکر اسے دکھی کر دتا ہے۔۔۔ کمی کہ وہ اس ذکر سے پر ہیز ہی کیا کرتی تھی لیکن۔۔۔ جان بوجھ کر اس نے یہ ذکر چھیڑا اتھا اور ابھے کی بسمی بھی اس سے باز نہ رکھ سکی۔

”یہ ”اگر“ بھگوان نے ہمارے نفیب میں آؤ۔۔۔ نہیں دیا ابھے! ہم چاہیں تو اسے مٹا سکتے ہیں۔۔۔ بھارت واپس جا سکتے ہیں۔۔۔“

”لے وقوفی کی باتیں مت کرو نہیں!“ اس نے فری اسے جھٹک دیا۔

”سب کچھ جاننے کے باوجود تم ایسی تجویز کیے پڑھ کر سکتی ہو سی ناممکن ہے۔“

”کوئی ناممکن نہیں ہے، ہاں مشکل ضرور گھر ہے،“ ہمیں۔۔۔ ظاہر ہے اتنے سال یہاں ایک الگ چیز بتانے کے بعد اپنے اصل کی جانب لوٹا مشکل ہوتا۔۔۔ لیکن اصل کو بھلایا بھی تو نہیں جا سکتا۔۔۔ اصرحت جانب لوٹنے میں ہی تکتی ہے اور ہمارا اصل ہزار دلش ہے، ہمارا بھارت ہے۔

”بھارت میرے دل میں باتا ہے لیکن میں بھر میں بس نہیں سکتا۔“ وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

”اب وہاں رہا ہی کون ہے۔۔۔ نہنا کے لئے جیسے ملال اتر آیا۔۔۔“

”اسی لیے تو۔۔۔ اس لیے تو نہیں جا سکتا،“ جو کی استھیاں تک بنانے کا ثواب تو کما نہیں۔۔۔ کس منہ سے وہاں جاؤں۔“

”کوئی ستان کے لیے، اپنے بچوں کے لیے، ان کا کوئی مستقبل نہیں۔۔۔ مکمل اور نکھل بھتھتے جا رہے ہیں، جب تک ہمارے بس میں تو۔۔۔ کسی طرح قابو میں رکھا، اب ان کی عمر اسکی نہ ہماری روک نوک میں آئیں۔۔۔ وہاں جائیں۔۔۔“

ماخول کی تبدیلی انہیں مزید چڑھنے کا موقعاً نہ ہے۔۔۔

”یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ وہاں بھی یہی مسئلہ ہے، وہن پھول کے ساتھ۔ جن کوہاٹھ سے لکھنا ہوتا ہے، اسی جاتے ہیں۔ روک ٹوک تواب کسی دلیش کے ذہن میں بھی برداشت نہیں کرتے“ وہ کسی طور نہ مان بتتا۔

”اچھا تو چلویریتی کے لیے ہی سی۔ اس کا بیاہ کرنے کے لیے ہمیشہ کے لیے نہیں تو چند سال یا چند میتوں کے لیے یا تب تک کے لیے جب تک پریتی کے لیے بن اچھا برٹنیں مل جاتا۔ اس کا کنیاداں کر کے ہم جس امریکہ لوٹ آئیں گے۔“

”مجھے ایک کوشش تو کرنے دوں ہمیں! یہاں رشتؤں کا بیان کیل بھی نہیں پڑا۔ میرے بست سے جانے والے تین یہاں نیویارک میں بھی“ قلموریڈا اور کینیڈا تک مل، کہیں نہ کہیں بات بن ہی جائے گی اور اس سے بے تمہیں یہ کہتا ہے کہ ایک بار پریتی سے بات کرو، تایدہ کسی کو پسند کر لی ہو۔“

”اگر ایسا ہوا تو کیا تم اس کی پسند سے اس کی شادی مندو گے؟“ وہ مسکرائی۔

”ہاں“ اگر اس کی پسند میری پسند کے مطابق ہوئی تو ”اس نے انگلی اٹھاتے ہوئے گویا تشپیہ کی۔

”میں پریم کے خلاف نہیں ہوں، یہ تم اچھی طرح نہیں ہو، آخر ہماری بھی تو لو میں جے۔“

”اور ہماری پسند بھی تو تمہارے ماتا پتا کی پسند کے مدب نہیں ہیں۔“ وہ بے ساختہ کہا اچھی۔ اس بات بنجے نے اسے جن نظرؤں سے دیکھا۔ وہ بڑی طرح نہ ہو گئی۔

”تھسوری“ میرا کہنے کا مطلب۔

”اُس اُوکے“ وہ فوراً وہاں سے اٹھ گیا۔ نہیں اور اس کے کرے کے بند دروازے کی جانب سوچی ہے۔ غلوٹوں سے دیکھتی رہی۔

”پریم اتنا بڑا جرم بھی نہیں ابھے! جس کے لیے تم نے سلوں سے خود کو سزا دیتے آ رہے ہو۔ ایشور سدے حال پر رحم کرے، تمہیں اسی گلٹ سے مکتی۔“ بھی بھی تو مجھے اپنا آپ مجرم لئے لگتا ہے جس

کے کارن یہ پریم تمہارے نزدیک پاپ بن کے رہ گیا ہے، ”کاش تم مجھ سے پریم نہ کرتے“ کاش تم یہ پاپ نہ کرتے۔

”لما! لیا کہہ رہی ہیں آپ؟“ پریتی جو ابھی اسی سے کوئی بات کرنے اپنے کرے سے دوبارہ وہاں آئی تھی اس کی خود کلائی سن کے چونک اٹھی۔

”آپ، کچھ نہیں پکھ بھی تو نہیں۔“ اپنے دھیان میں کھوئی نہیں اگھرا گئی۔

”پلیز ما! آپ مجھ سے کچھ چھانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ کیا پاپ کوں ساپ؟ آپ اپنے آپ کو روٹی کیوں دے رہی تھیں؟ گیوں اپنے اور پیاپا کے پریم کو غلطی کہہ رہی تھیں؟“

”پریم غلط نہیں ہو تا پریتی! نہ ہم نے اک دوچے سے پریم کر کے غلطی کی تھی، ہاں ہم نے اس پریم کا جو من چلا انجام کیا تھا، وہ ہمیں سماج کی نظر میں بیانی ضرور بن گیا۔“

”مگر کیسے؟“ مجھ سے اب تو کچھ نہ چھائیں، میں اب بھی نہیں رہی۔ بچپن سے دیکھ رہی ہوں کہ اندھا جانے کے نام پر آپ اور پیا اگھرا جلتے ہیں، جب بھی آپ سے کچھ پوچھنا چاہیں اپنے دادا دادی۔۔۔ ناناٹی کے بارے میں تو ہمیں تال دیا جاتا ہے اور تو اور پیا اپنی ویڈنگ اینی ورسری تک مناٹا اچھا نہیں جانتے، اگر اپنی دش کیا جائے تو غصہ ہو جاتے ہیں۔۔۔ کیوں، کس لیے؟“

”اپنے اندر کے گلٹ سے خود، ہی گھبرا رہتا ہے ابھے“ اس نے مجھ سے بیاہ اپنے پریوار کی مرضی کے خلاف کیا تھا۔ ہماری ذات ایک نہیں تھی، وہ بہمن اور ہم پنجاہی۔ برہمن صرف برہمنوں سے ہی بیاہ کرتے ہیں، صرف ذات ہی نہیں، ہماری زبان، رہن سکن، رست روانج سب اک دوسرے سے الگ تھا، وہ ناگ پور میں رہا کرتے تھے، لیکن تھا پکے مہاراشرین۔۔۔ ایسے میں ایک پنجاہی کی لڑکی کیسے بیوادر لاتے، جو شدھ برہمن بھی نہیں تھی۔ لیکن ابھے اڑ گیا، اس وقت اپنے عشق میں پاگل بھوکے اس نے ماتا پتا کو ناراض کر

کے مجھ سے مندر میں بیاہ تو رجایا لیکن بعد میں ہر گز رتاں اس کے گلٹ کو برداشت کیا۔

”آئی کانٹ ٹیوٹ“ یہ اتنا بڑا ایشو نہیں جتنا کہ پیا نے اسے بناؤالا۔ کمل شادی توکری سووات آئی کیں انڈر اشینڈ کے دادا، دادی خفا ہوئے ہوں گے لیکن پیا منانے کی کوشش کرتے تو کبھی نہ کبھی درسویرے وہ لوگیں ہی جاتے معاف کرو یتپیا کی غلطی۔“

”تم نہیں سمجھو گی۔ یہ آج سے تقریباً“ چوبیں سال پلے کی بات ہے۔ تم امریکہ میں پلی بڑھی ہوئے دور کی لڑکی ہو، اس کے باوجود اپنے پیا کے مزاج اور ہمارے گھر کے ماحول سے اندازہ لگانکستی ہو کہ آج سے پہنچیں سال پلے یہ رواج کتنے اٹھ ہوتے ہوں گے تمہارے پیا اپنی تمام تر روش خیالی کے باوجود بعض باتوں میں اتنے دیقاںوی ہیں تو تمہارے دادا۔ جو نیھکل برہمن مہاراج تھے، وہ کتنے اٹھ ہوں گے آج نیویارک میں سالوں بننے کے بعد بھی ہم اپنے سنکار نہیں بھولے تو ناگ پور کے اس کونے میں اپنی چھوٹی سی دنیاباسے تمہارے دادا، دادی کے لیے توں سنکار ہی ان کی نوری زندگی تھے۔ وہ تمہارے پیا کی یہ غلطی معاف نہیں کرپائے اور انہیں مرتدم تک منہ نہ دکھانے کی قسم دے دی، تمہاری طرح ابھی اور میں بھی یہی سمجھتے تھے کہ شادی کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک دو سال تک ہم ان کی ناراضی ختم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن اس قسم نہ ہماری ہمت توڑدی۔ ابھی دل برداشتہ ہو کے بھارت چھوڑنے کا فیصلہ کر بیٹھا اور آج تک خود کو پردویں کاٹنے کی سزا دے رہا ہے۔ اس کے ماتا پاپا اب سورگ باشی ہو چکے ہیں، وہ ابھی سے ناراض ہی یہ سنارچھوڑ گئے، یہ تم ابھی کو چین نہیں لینے دیتا کہ وہ ان سے معاف نہیں مانگ سکا۔ اور ان سب کا کارن کہیں نہ کہیں میں ہی ہوں۔“

”اب آپ پیا کے گلٹ کو اپنا گلٹ نہ بنائیں۔“ بھگوان جانتا ہے کہ آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا اور پیا نے بھی کسی غلط نام کے لیے دادا، دادی کو ناراض نہیں

کیا تھا۔ آپ پیا کو سمجھائیں کہ ماتا پاپا یہی شر (اولار) سے خفائنیں رکھتے ہیں جیون میں وہ بھلے موڑ نہ راغب رہے ہوں، مگر اپنی دُنیو کے ساتھ ہی بیٹھتے ہو گئے ہوں گے اور ضرور آج بھی سورگ میں بنتے کے لیے، آپ کے لیے اور میرے لیے پر ارتخت ہوں گے، ان کے آشیرواد آج بھی ہمارے ساتھ ہے گے۔“

”میں کوشش توکرتی ہوں لیکن ابھی نہیں۔“ اس کا خیال ہے کہ اس نے نہ صرف اپنی قست بلکہ اپنی ستان کی قست سے بھی، اپنے ماہر آشیرواد نکال دیا ہے۔ یہ شرمندگی اسے اپنی جنم بخوبی جانے سے روکتی ہے۔ ورنہ میری تو بڑی اچھا (خوب) تھی کہ تمہارا بیاہ ہندوستان میں ہوتا، وہاں کے بندروں سے فوجوں سے۔“

”یہ میرے بیاہ کا ذکر آج کل گھوم پھر کے بڑی کیوں آ جاتا ہے؟“ وہ آکتا کے بولی۔

”کیونکہ یہ سے کاتھنما ہے۔ اب تمہاری بیاہ کر ہو گئی ہے۔“ نینا نے پیار سے اس کے پھرے پھرے سیستھے ہوئے کہا۔

”اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اب دن رات بیکی بات کر کر کے میرے کان پکا دیں۔“

”صرف بات نہیں، میں اس بات پر عمل کرنا پڑتا ہوں۔ میری اور ابھی کی پوری کوشش یہ کہ میں سال کے آخر تک تمہاری کہیں بات پکی کر دے جائے۔ اب ہم تمہارا کنیاداں کرنا چاہتے ہیں۔“

”مایی گڈ، کیا پلانگ ہے اور وہ بھی آج کے مکمل بھی ہو گئی، امیزجک، ناشتے کی نیبل پہنچ ہونے سے پہلے پہلے آپ نے میرے بیاہ کے بہت میں سب ناٹھل بھی کر لیا؟“

”آئی نہیں، ابھی تو لڑکا ہو ہونا ہے۔ تمہاری خوشی کوئی ہے؟“

”میری نظر میں؟“ وہ عقیقی دیوار پر گئے آپ سانے اپنے بال سنوار رہی تھی جب نینا کے بچہ

پوچھئے سوال پر بڑی طرح چونک گئی۔ آئینے میں اسے
بتابا چاہو تو اچھا ہے کہ کتنا دل کاٹھ ہو، رنگ روپ کیا
ہو، کتنا پڑھا ہو، کیسے مزاج اور سجاوہ کا ہو۔“

”وہ۔“ پریتی کچھ بتاتے بتاتے رک گئی۔ آئینے
میں تنگ کرتا غسل اب آنکھوں کی پتلیوں میں مسکرا
رہا تھا۔

”اس کی مسکراہٹ بہت خوب صورت ہے۔“
اس نے سرگوشی کی اور اپنی ہی مدھم آواز پر سہم کے
چونک گئی۔

”میرا مطلب ہے کہ اس کی مسکراہٹ بہت خوب
صورت ہو۔ وہ عورت کی عزت کرنا جانتا ہو، باشیں
بہت اچھی کرتا ہو۔ اور۔ اور۔“ وہ پلکیں بند کیے اس
شبیہہ کے سارے راز کھولتے کھولتے رک گئی۔

”بٹ ما! کیا یہ ضروری ہے کہ آپ میری بتائی ہوئی
پسند کے مقابل جو لڑکا ڈھونڈیں، اس میں واقعی یہ
ساری باشیں موجود ہوں، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو
وہ کہا ہو اسے جانے میں!“

”تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے پریتی! کہ تم ارٹنچ
میج کے حق میں نہیں ہو۔“ نینا نے قیاس ظاہر کیا
جس سے پریتی نے تکلفاً بھی انکار کرنا ضروری نہ
سمحتا۔

”لیں، آف کورس، لیکن فی الحال میں کوئی لو میج
بھی پلان نہیں کر رہی۔ بلجی میرا بیل اور دماغ دنوں
اس وقت بالکل صاف ہیں۔ ان پر کلم کا نام نہیں
لکھتا۔“ ایسا کہتے ہوئے اندر کیس سے کسی نام کی
بازگشت بڑے زور سے گونجی تھی۔ وہ اپنے آپ سے
ڈر گئی۔

”مجھے کچھ وقت چاہیے۔“ پتہ نہیں یہ مہلت اس
نے کس سے مانگی تھی؟ اپنی تماں سے۔

خود سے۔۔۔
یا پھر سے۔۔۔ اس عکس سے۔۔۔



”میں کوئی تمہاری سکھی یا سیلی ہوں جو میرا

پوچھئے سوال پر بڑی طرح چونک گئی۔ آئینے میں اسے
اپنے عکس کے بجائے کوئی اور شبیہہ نظر آئی تھی۔
”ہاں ہے کوئی ایسا نہ سائز کا جو میری شزادی کو
پسند ہو؟“ اس نے چھیدرا۔

”پلیز نہا۔“ وہ سخ ہو گئی۔
”کم آن پریتی! وہ آفرینڈز۔ شرباؤ نہیں۔ اگر
ایسی کوئی بات ہے تو بتاو۔“

”آپ نے خود ہی تو کہا ہے ما! کہ ہم فرینڈز ہیں۔
پھر ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ ایسی بات ہوتی اور میں نے
اب تک آپ کونہ بتایا ہوتا۔ بلجی میری نظر میں کوئی
نہیں۔“ اس نے آئینے میں نظر آتی شبیہہ سے
نظریں چڑائیں۔

”میرا مطلب ہے کہ اس نیت سے تو مجھے کوئی پسند
نہیں، ہاں ویسے بہت سے ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے
پسند ہیں۔“

”بہت سے۔۔۔ نہنا حیران ہوئی۔“
”وہ۔۔۔ وہ یقیناً“ اپنے لڑکے ہوں گے جب ہی ان
کی کوئی نہ کوئی بات تمہیں پسند ہے۔ کیا ان میں سے
کوئی ہندوستانی بھی ہے؟“

”اوہ لیں ما! دو انڈیں بھی ہیں۔ ایک رینک
روشن اور دوسرا شاد رخ خان۔ اس کے علاوہ میرے
باتی کے تین فیورٹ، ہیروز ہالی وڈ کے ہیں، ان کے نام تو
آپ ہر گز نہ جانتا جاہیں گی۔“ اس نے نہیں میں بات
اڑالی۔

”تم اپنے پاپا کے سامنے رینک کا نام ضرور لینا، وہ
بھمن ہے اور تمہارے پیامبا کا بھی فیورٹ ہے۔ ابھے کا
چکد بھروسہ نہیں اپنی لاڈلی کے لیے وہ شاید رینک
روشن کو بھی گھر جائی بننے پر رضامند کر لے۔“ نہنا
بھی فس پڑی۔

”وہ کے نادبی سیر لیں،“ اگر تم واقعی کسی کو پسند نہیں
کر تئی تو اس کا مطلب ہے ہمیں ہی کو شش کرنا ہو گی
تین تم اپنی پسند تو ہمیں بتا سکتی ہو۔ ابھے کی تو بس دو، ہی
ثڑیں ہیں،“ ایک یہ کہ لڑکا ہندوستانی اور برہمن ہندو
ہے اور دوسری شرط یہ کہ تمہیں خوش رکھنے کی ساری

جو اس ساری گفتگو کے دوران لیپ ٹلپ پر نجانے کی معرفت میں مکن تھیں۔

”گرلز! تم دونوں میں سے کافی لینے کون جائے گا؟“
”تم خود کیوں نہیں جاتے؟“ سارہ نے ترخ کے کہا۔

”میں تم دونوں کو اس ویران جگہ پر اکیلا نہیں چھوڑتا چاہتا۔“ وہ مزے سے نیک لگاتے ہوئے بولا۔ وہ سب آج پنک منانے ساحل پر آئے تھے اور یہ جگہ بھیڑ اور شور شراب سے خاصی دور تھی۔

”اور ہم میں سے ایک کو اکیلا ضرور بچ کتے ہو؟“
”اس پر کہ ویران جگہ صرف یہ ہے، جہاں فوذ اشائز اور کافی شاپس ہیں، دہلی خاصارش اور گھما گھمی ہے۔ تم مجھے دور تک جاتی نظر آؤ گی، میں یہاں سے تمہیں واچ کروں گا۔“ وہوضاحت کرتے ہوئے بولا۔
”تم نے یہ کسے سوچ لیا کہ میں تمہارے کنے پر کافی لینے چلی جاؤں گی؟“

”ریلیکس سارہ! میں چلی جاتی ہوں۔“ اور پھر وہ منصف کے کنے پر بھی نہ رکی جو بے چارہ دور تک آوازیں دیتا رہ گیا کہ وہ محض مذاق کر رہا تھا۔ دراصل، خود بھی سارہ کے جانے کے بعد منصف کے ساتھ اکیلے نہ بیٹھنا چاہتی تھی۔ ڈر تھا کہ وہ ادھورا سا عکس پوری طرح واپس ہو کے بھی نہ مٹنے کے لیے دل دیا۔ یہ پوری طرح نقش نہ ہو جائے۔ اس نے یہ بھی نہ پیکھا کہ اس کے اٹھ جانے پر منصف کے چہرے کو رنگت پھیکل پڑ گئی تھی۔

”تو تم یہ چاہتے تھے کہ میں یہاں تمہیں اور پریتی، اکیلا چھوڑ دوں؟“ سارہ نے چھتے ہوئے لمحے تک سوال کیا۔

”تم ہم دونوں کو غلط سمجھ رہی ہو۔“ منصف اس کے اعتراض کو خاطر میں منہ لایا۔

”آں ہاں، دونوں کو نہیں۔ صرف تمہیں۔“ سارہ نے چھت کی۔

”پریتی کو میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اور شب تھیں بھی۔ یچھے ہٹ جاؤ منصف، پریتی کے دل۔“

تمہاری منگنی کی تقریب میں شریک ہوتا شد ضروری ہے۔ ”ارباز الیاسی نے نیلم سرور کے مسلسل اصرار پر نصیح ہو کے کہا۔ کل، ہی اسے اطلاع ملی تھی کہ کلکتہ سے اس کے پچھا مختار الیاسی میں نیلم کی منگنی والے روز نیویارک پہنچ رہے تھے۔ نیو جرسی میں ان کی بیٹی بیاہی گئی تھی، اسی سے ملنے کی غرض سے آرے تھے اور اسی وجہ سے ارباز اس سے تقریب میں شرکت نہ کرنے پر پیشگوی معدودت کر رہا تھا لیکن وہ کوئی عذر رمانے پر تیار نہ تھی۔

”جب سارا گروپ آرہا ہے تو تمہاری غیر موجودگی نیاں محسوس ہو گی اور یہ تمہارے انگل اپنی بیٹی سے ملنے آرے ہیں تو سیدھا ان کی طرف کیوں نہیں جاتے؟“ وہ نشک کریوں۔

”ریڈیشنز (روایات) مالی ڈائری فرینڈ! وہی زرانے رسم درواج۔ انگل سعدیہ سے ملنے جائیں گے مگر وہاں رہیں گے نہیں۔ آفریل وہ ان کی بیٹی کا سرہاں ہے۔ مشکر ہے کہ اب بیٹی کے سرہاں سے کم از کم پہلی نہ میئے والی قسم تو توث ہی چکی ہے لیکن وہاں رہنے پر وہ ہرگز تیار نہ ہوں گے۔ میں انہیں اپر پورٹ سے لے کے سیدھا ہاپنے فلیٹ پر جاؤں گا۔ دن بھر وہ وہاں آرام کریں گے، ظاہر ہے اتنا مباسفہ اور کل ہم نیو جرسی کیلے لکھیں گے۔“

”آرام تو وہ دن بھر کریں گے، شام کو تو تم آسکتے ہو۔“ منصف تھا۔

”مگر کیسے یار؟ ان کو آئے چوبیں کھنے بھی نہ ہوئے ہوں گے اور میں انہیں فلیٹ پر اکیلا چھوڑ کے نکشی اٹھانے کرتا پھوپھوں۔“

”تم انہیں ساتھ لے کے تو نکشی اٹھانے کر سکتے ہو تاں۔“ نیلم نے یہ مسئلے بھی حل کر دیا۔ ”آفریل میرے سب فرینڈز وہ فیملی اوناٹھنڈ ہیں۔ میں خود تمہارے انگل کو فون کر کے باقاعدہ انواعیں دے دوں گی۔ اب مزید کوئی بحث نہیں، چلو چل کا پچھے بندوبست کریں۔“ وہ رنجا اور ارباز نجلاں کے لیے چلے گئے، یچھے منصف، سارہ اور پریتی کے ساتھ رہ گیا۔

بڑے لیے کچھ نہیں۔"

"وہ اگر بھی مشورہ میں تمہیں دلوں تو؟"

"کیا مطلب؟"

"بچھے ہٹ جاؤ سارہ داؤ دا طرابلسی۔ منصف علی
برڑ کے دل میں تمہارے لیے کچھ نہیں۔" اس نے
بڑے کے کچھ کرنے سے قبل ہی صاف جواب دے دیا
تھا۔ قطعی مایوس نہ ہوئی۔

"لیکن سارہ ڈیوڈ کے دل میں تو تمہارے لیے بہت
کچھ ہے اور صرف دل ہی میں نہیں، میرے پاس اور
بھی بہت کچھ ہے منصف!" وہ عجیب طرح سے
سکرائی۔

"شلا؟" وہ اس کی پراسرار مسکراہٹ سے کچھ
نہما۔

"پریتی نہ تو اتنی حسین ہے اور نہ ہی اتنی لگی۔
بخوبی کہ میں۔"

"تمہارے حسین ہونے یا نہ ہونے سے تو بعد میں
بٹ کریں گے کہ یہ ایک الگ معاملہ ہے لیکن پہلے تم
پہنچ کر ہونے کی بوضاحت کرو۔"

"یونو منصف" لاست ایئر جب میں ٹونس گئی تو
میرے پیالا نے کیا کہا۔ وہ اس سال لیکلی اپنی پر اپلی
میکسٹنی پر منٹ میرے نام کرنے والے ہیں۔ ان
میں اپنی دوسری والنگ سے بھی ڈالی ورس ہو گئی ہے
جس سے ان کی اولاد بھی کوئی نہیں۔ میں نے ماکوا بھی
تھیں بات نہیں بتائی۔ یوڈنٹ نوکہ وہ کتنی خود غرض
تھی۔ میرے نام پر اپلی ہونے کا سنتھی ان کی وہ ساری
ختہ جاگ جائے گی جو پچھلے کئی سالوں سے گھری نہیں
تھی۔ اندھوں نے مجھے ایک ٹولی ہوئی ٹیلی، اور ہوری
بھجن اور ناکمل زندگی کے علاوہ دیا ہی کیا ہے۔ ساری
بھر نے محرومیوں میں گزار دی، باقی کی عمر اپنی مریضی
سے بُرزا ہوتی ہوں گیا۔ ڈالی ورس کے بعد ماما کو
سوالت نہیں دی سکی۔ جو سب انہوں نے شراب
ڈالی، دراپنے کم عمر بیوائے فرندز پاے اڑاوی حالانکہ اس
بے سر احتجاج تعلیلیا نے انہیں فرائس میں جو مکان خرید
ہے تو عوادہ بھی بیچ کے ان ہی عیاشیوں میں اڑا دیا ہے۔

اس پر اپنی کو بھی مہینوں میں چٹ کر جائیں گی۔ اس
لیے اس بات کی میں نے انہیں ہوا تکنہ لکھنے دی۔"
"نچھے تمہارے حالات سے ہدر دی ہے لیکن میں
اور کیا کر سکتا ہوں ماں۔" وہ سب نجھتے ہوئے بھی
انجلانہن رہا تھا۔

"تم وہ پہلے شخص ہو جسے میں یہ راز تاری ہوں۔"
"اس ذرہ نوازی کی وجہ؟"
"کیونکہ تم وہ پہلے شخص ہو جس سے میں نے سچا
پیار کیا ہے۔"
"وہ جھوٹے پیار کس کس سے کر چکی ہو؟" وہ
ہنس پڑا۔

"تھی میری بھی منصف۔ میں نے تمہارے علاوہ کسی
اور سے محبت نہیں کی۔"

"ویری سیڈ" اس کا مطلب بے جان، رکی اور بھائیہ
سے بغیر محبت کے ہی تم نے اتنے گھرے تعلقات قائم
کر لیے۔ "اس نے لفظ "گھرے" پہ نور دیتے ہوئے
کہا۔

"وہ میری حمact تھی۔" وہ شرمذہ ہوئے بغیر
بولے۔

"حمact نہیں سارہ! حمactیں۔"

"what ever" (جو بھی ہے) اس نے سرجھکا۔
"اپ تو میں کہہ رہی ہوں ناں کہ میں تم سے محبت
کرنی ہوں۔"

پریتی کے کان میں سارہ کے ہے اور بھی آواز میں کے
لفاظ پہنچے تو اس کے قدم یا کیک رک گئے۔ ان دلوں
کی پشت اس جانب تھی اس لیے وہ اس کا آنا
محسوس نہ کر سکے۔

"وہ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں تم سے محبت تو
کیا وہ سی تک قائم رکھنے کا روادر ا نہیں۔"

"وہ تو پریتی کا جادو سرجھ کے بول رہا ہے۔" وہ
سلگ گئی۔ پریتی کا حل اپنے نام پہ سٹ سما کیا۔

"بٹھ اپ سارہ! خبردار جواب تم نے پریتی کا نام
بھی لیا تو۔"

"کیوں، مل کاچور کپڑا آگیا ہے؟ اس لیے۔"

”تل میں چور نہیں ہوتا سارہ۔! صرف اتنی دے۔“ اس نے کچھ کہتے کہنے لب بستیج کر خود کو روک لیا۔

”پریتی ایک اچھی اور معزز لڑکی ہے۔ میں مل سے اس کی عنزت کرتا ہوں، نہ صرف اس کی بلکہ اس جیسی سب لڑکوں کی جو زمانے کے ساتھ ساتھ ہلتے ہوئے، جدید تفاہشوں کے مطابق خود کو ہم آہنگ رکھتے ہوئے بھی اپنی روایات سے ناتا نہیں توڑتیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تم اپنی گندی ذہنیت کا منظاہرہ کرتے ہوئے اس کا نام یوں اچھا لو۔ میں اپنے ارادوں میں تکانی کا جو بھی غصہ ہے وہ مجھے نکال سکتی ہو، اس کے لیے کسی شریف لڑکی کو بچ میں لانے کی ضرورت نہیں۔“

”اوہ نہ، شریف لڑکی، مائی فٹ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم پاکستانی مرد اور صحر جتنا مرضی منہ مارلو، آخر کار شریف لڑکوں پہ ہی مل ہارتے ہو۔ اوکے میں نے کون سا تمہیں عمر تھر باندھے رکھنے کی بات کی ہے۔ مانا، میں نہیں ہوں بقول تمہارے شریف لڑکی، معزز لڑکی، سو واث؟ مت کرنا تم مجھے سے شادی۔ کم آن یار، دوستی کرنے میں کیا حاجج ہے۔ شادی جیسی چیز کو میں بھی نہیں مانتی۔ مجھے تم اپنے لگتے ہو، میرا دل چاہتا ہے کہ تم بھی میرے جذبوں کی دل کی ہی پذیرائی کرو۔ تمہارا کیا جاتا ہے، بلکہ النا ملے گا۔ کچھ دنوں کی بات ہے، میرے پاس اتنا پیسہ ہو گا کہ تمہیں عیش کراویں گی۔ سال دو سال بعد میں خود تنگ آکے تم سے پیچھا چھترانا چاہوں گی تو تم نہ مانو گے۔“ وہ نہیں اور اس وقت پریتی کو اس کی وہ نہیں اتنی کمکیہ گئی۔ جسے نہ نت نئی تشبیہات کے ساتھ سردا رکرتی تھی۔

”تمہیں مجھے سے نہ تو محبت ہے سارہ، نہ ہی تمہیں میری کشش دوستی پہ آکسار ہی ہے،“ تمہیں مجھے سے صرف ضد ہے۔ میں کسی قسم کی پارسالی کا دعاونی نہیں کرولے گا لیکن یہ بات حل斐ہ کہہ رہا ہوں کہ میں نہ تو ظاہری کشش کی وجہ سے نہ کسی لالج میں سے حشی کہ محبت تک کے نام پہ بھی کبھی کسی لڑکی کو استعمال نہیں

کر سکتا۔ تو خود کو تمہارے نیاک ارادوں میں استعمال ہونے کی اجازت کیے دے سکتا ہوں۔ میں نشوپیس نہیں ہوں سائز داؤ دے ہاں تمہیں اپنی خواہشات لی خجاست صاف کرنے کے لیے ایسے نشوپیس جا بجا پڑے نظر آئیں گے، جاؤ انہیں استعمال کرو۔“

”میون آف سارہ بلبا اگھی۔“
”تم میرے جیسی لڑکی ڈیزرو ہی نہیں کرتے تمہارے لیے تو یہ پریتی جیسی۔“

”نیکو اس بند کرو۔“ منصف دھارا۔ ”میں نے تمہیں دار ننگ دی تھی کہ اپنی زبان سے دوبارہ اس کا نام سٹ لیا۔ تمہیں مجھے سے کوئی لیدار بنا نہیں، پھر باوجہ ایک معصوم لڑکی کو کیوں بد نام کر رہی ہو۔“

”اُن معموم، جانتے ہو وہ معصوم اور شریف لڑکی تمہارے بارے میں کیا فینگنر رکھتی ہے؟“
اس کی بات پہ ڈھانی فٹ کے فاصلے پر کھڑی پریتی دلوں نے بے ساخت اپنال تحام لیا، اس کی رنگت زرد پڑھتی تھی۔

”وہ تم سے اور تمہارے جیسے سب مسلمانوں سے نفرت کرتی ہے۔“ سارہ نے پریتی کے بارے میں مز کھڑت قیاس اڑائی کر کے اسے بھر کا ناچلا۔
”میں نہیں ہانتا کہ اس کے ذہن میں موجود شکوہ و شہمات کو نفرت کا نام دیا جا سکتا ہے اور اگر ہے بھی، وہ اسے خیالات کے بارے میں آزاد ہے۔ میں ہر جا کسی تھی نہ بہ کے انسان سے صرف اس لیے نفرت نہیں کر سکتا کہ وہ میرا ہمذہ ہے نہیں۔“

اب پریتی کے لیے یہ ڈھانی فٹ کا فاصلہ طے کرنے اتار شوار نہ رہا تھا۔ وہ اعتماد سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھی۔

”کافی۔“ اس نے فلاں کی نیچے رکھتے ہوئے بڑے انداز میں کہا۔ اس کے چہرے سے بالکل ظاہر نہ ہو۔ تھا کہ وہ ان کی گفتگوں پر ہی ہے البتہ اس نے نہیں نظر ہوں سے ان دونوں کے چڑوں کا جائزہ ضور یہ منصف کے چہرے پہ وہی انی سکون تھا جو ہمیشہ اس کی خاصیت رہا تھا جبکہ سارہ کا چہرہ ہٹک اور میٹھے

پکشن درست کر کے نیم دراز ہوتے ہوئے نگمل سے سوال کیا۔ آج اس کافری ڈے تھا اور وہ کل نیم کی منکنی کے فکشن کی تیاری کے سلسلے میں چرپے پر ٹھہر کر لگائے بیٹھی تھی۔

”بُو بیسے، ابھی ابھی اتل لایا ہے۔“ پوری فہمی کو ان دین مسویز کا کریز تھا۔ شاید وطن سے دور وطن سے وابستہ ہر چیز کا شوق یونہی جنون بن جایا کرتا ہے۔ یا پھر شاید۔۔۔ وہ اسی طرح اپنے اندر کی تکینیں ٹیکرتے تھے۔۔۔ اس تہذیب کو دیکھ کر اور محسوس کر کے جو اس پر دلیں میں این کے لیے ناماؤں اور ابھی تھی، مگر جوان کی اپنی تھی اور جسے وہ چاہ کے بھی خود سے الگ نہیں کرپاتے تھے۔

”یہ وہی مسوی ہے جس میں ایک ہندو روا کا، ایک مسلمان لڑکی کو کھرسے بھاگ کر شاری کر لیتا ہے؟“
”یہ تم لوگ کیا بے کار کی فلمیں دیکھتے رہتے ہو۔“
نہنا نے اعتراض کیا۔ ”ویکھنی ہی ہیں تو پرانی فلمیں لایا کرو۔ اولڈ از کولڈ مائی سن! وہ ولپ اور مدھوبالا کی فینشی لو اسٹوریز۔۔۔ وہ راج کپور اور زرگس کے مدھر گیتوں والی فلمیں۔۔۔ آج کل تو ہر فلم میں یہی ایک موضوع باقی رہ گیا ہے، دو دھرم کے لوگ۔۔۔ یا پھر دو مختلف دنیوں کے پریمی۔۔۔“

”لیکن ماں! اس کامیوزک زیر درست ہے۔“ اتل نے ان سخن کرتے ہوئے کہا۔
”اللہ اکبر۔۔۔“

منہشا کو رالہ، جس نے اس قلم میں ایک مسلمان لڑکی کا روں ادا کیا تھا۔ بر قدم میں ملپوس، صبح کی اویں ساعتوں میں کشتی میں سوار جاری تھی اور فضا اذان کی آواز سے گونج رہی تھی۔

چھرے پر ماسک لگائے، آنکھوں پر کھیرے کے تلتے رکھے لیٹھی ہوئی پریتی ذرا بے چینی کی ہوئی۔
”اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔“

”ما۔۔۔“ اس نے دہی سے آواز دی۔ ”یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے ما۔۔۔“
”اسی فلم سے۔۔۔“ نینا نے بھی ہاتھ سے پین رکھ

کے ملے جلے جذبات کے زیر اثر مسخ ہو رہا تھا۔ وہ زیادہ بیرونی نہ رک سکی اور منتظر ہوئے ائمہ کے چل نہ۔
”یہ سارہ کہاں عائب ہو گئی؟“ ریجا نے آتے ہی سوال کیا۔

”ہمیں ان دونوں کو اکیلا چھوڑنا ہی نہیں چاہیے تھا۔“ اربا ز نے منصف کی جانب اشارہ کیا جس سے دونوں پر بدل مسکراہٹ سے اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ ضرور ان دونوں کے درمیان پھر سے گرمگری ہوئی ہو گی۔

”اہ۔۔۔ نات آگین۔۔۔“ نیلم دھپ سے بیٹھ گئی۔ پار! کم از کم میری اینجمنٹ سے چلے کوئی بد منگی نہیں ہوئی چاہیے تھی۔“

”تمہاری تو ہر تن متنقی پر ٹوٹی ہے، فکر مت کرو اسکی کوئی قتل و غارت والی بلات نہیں ہے، یہ تم تو جانتی ہو، کئی موضوعات پر ہماری بحث ذرا ازیادہ ہی تھی اختیار کر سکتی ہے، اسے سیرپسلی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ پریتی نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اسے حیرت اس بت پر تھی کہ سارہ سے ناخوشگوار تعلقات ہونے کے پیغمبروں اس کا بھرم رکھ رہا تھا۔ کیا عجیب تھا کہ اس سے پہلے بھی وہ ایسا کرتا آیا ہوا اور دونوں کے مابین کچھا وہ اسی وجہ سے ہو، جسے آج سے پہلے وہ بھی دوسروں کی طرح بیل ازم اور قدامت پرستی کی روایتی بحث کا نتیجہ بھیجنی رہی تھی۔

”اور کوئی ہوتا تو سارہ ڈیوڈ جیسی پر کشش لڑکی کی سس پر کشش آفر کو اپنے لیے اعزاز سمجھتا اور دوستوں میں بیٹھ کے فخر سے دہرا تا۔ اور کوئی ہوتا تو اپنے انکار بر سارہ کی توہین کے قصے مزے لے لے کے سنا تے ہوئے اپنی مردانہ انکا کو بلند کرتا۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ اور میں ہوتا تو ایسا کرتا ہی کیوں؟ سارہ جیسی لڑکی کو نظر نہ اڑ کرنا، کسی اور کے بس کی بات بھی تو نہیں۔“ وہ دل نیل میں مسکراوی۔



کے اسکرین کی جانب توجہ کی۔
”اہل آؤالیوم بند کرو“ بھئے نے سلیا تو طوفان لے
آئے گا مگر میں۔“

ایک منٹ..... رہنے دو۔“ وہ بے چینی سے انھے
بیٹھی، آنکھوں سے کھیرے کے قتلے ہٹا کے اس نے
اسکرین کی جانب دیکھا، میں بدل چکا تھا اور پس منظر
سے گو بھی اذان کی آواز بھی۔

”پہ کیا تھا ماما؟“

”تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔ مسلمانوں کے کوئی
دھارک اشلوک تھے، اسی لیے تو میں ڈر رہی تھی کہ
انھیں نہ سلے برہمن کے گھر میں اذان۔“

”یہ تو میں جانتی ہوں کہ یہ مسلمانوں کے خاص لفظ
ہیں لیکن اس کا مطلب کیا ہے اور یہ۔۔۔ یہ کس لیے
اور کیوں کے جاتے ہیں۔“ اس کے چہرے سے ابھی
اور اضطراب ہو یہ اتنا جسے ڈاکٹر نہنا نے خاصے اچھے
سے فوٹ کیا۔

”مجھے کیا پتا۔ اور تم اتنا انٹرست کیوں لے رہی ہو؟“
لیکن وہ نہنا کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے بکھل
کے یا تھے سے ریکوٹ لے کے وہی میں روایا نہ کر
چکی ہمی۔

”اللہ اکبر۔“

”بالکل وہی۔۔۔ بالکل وہی شبد۔“ وہ بڑی طاقتی تو نہنا
کو اپنا سوال دھرا تاردا۔

”ماما! آپ جانتی ہیں کہ اکثر مجھے ایک سپنا پریشان
کرتا ہے۔“

”وہی سپنا“ جس میں ایک عجیب سامنتر تھیں بار
بار سنائی رہتا ہے، کسی دوسری بھاشا کے شبد تھیں
مکھنچتے ہیں؟۔۔۔ کتاب بھی وہ سپنا تھیں آتا ہے؟ پہلے
تو تمہست ڈر اکر لی تھیں۔“

”ہاں بچپن میں واقعی اس سپنے کو دیکھنے کے بعد میں
ڈر جیا کرتی تھی، لیکن ماما بھی پسنا لیا بھی اکثر مجھے تنگ
کرتا ہے۔ میں اب ڈرتی نہیں لیکن پریشان ضرور ہو
جاتی ہوں کہ کیوں؟ کس لیے۔۔۔ یہ سپنا اتنے سالوں
سے بار بار مجھے دکھائی دے رہا ہے، اس کا کارن کیا ہے؟“

اور سب سے بڑی الجھن یہ کہ میں اس سپنے کو سمجھ
نہیں پاتی ہوں۔ وہ بالکل کوئی دوسری بھاشا ہے، جس
کے الجھی شبد ہے۔۔۔ کسی منتر کی طرح میرے کان میں
پھونکے جاتے تھے اور میں جیسے کسی جادو کے اثر میں
آجائی تھی۔۔۔ وہ شبد کیا تھے، وہ بھاشا کوں کسی ہے لیے
وہ منتر کیا ہے۔۔۔ میں نے آج جانا ہے۔۔۔ لیکن اسے
جانے کے بعد بھی میری الجھن کم نہیں ہوئی بلکہ اور
زیاد ہو گئی ہے۔“ اس نے سرگوشی کیا کی۔

”کیا مطلب؟“ نہنا خوفزدہ ہو گئی۔ کسی خوف کے
زیر اثر اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسکرین کو
جانب دیکھا اور پھر پریتی کے پریشان چہرے کی جانب
”میکا سمجھا ہے تم نے؟“

”میکی کہ وہ شبد علی بھاشا کے تھے اور وہ آواز
اذان کی تھی۔“ اس اکشاف پر نہنا گرنے کے سے
انداز میں صوفے پر بیٹھے گئی۔ اس کی سسی ہوئی نظرز
پریتی کے چہرے سے قبیل تھیں۔

”لیکن ماما! مجھے کیوں! مجھے یہ آواز کیوں سنائی دیتی
ہے! میرا اذان کی آواز سے کیا تعلق۔“

”یہ۔۔۔ ہے کچھ غمیں پریتی! یہ محض اتفاق ہو گا۔“
نهنا نے اپنی چہرہ اس پریشان سے قابو پاتے ہوئے ملا۔

”اتفاق ایک بار ہوتا ہے ماں بار بار نہیں۔“

”میں نے کہا تاں پریتی! یہ صرف اتفاق ہے۔۔۔ یا پھر
تمہاری غلط فہمی۔“ نہنا نے سخت لمحہ میں اسے ڈاٹا۔
”ایک بات کے پیچھے مت پڑھا لیا کرو۔ وہ صرف
سپنا ہی تو ہے۔۔۔ سپنے میں انسان بہت کچھ ایسا رکھتا ہے
جس کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اور ضروری تو نہیں۔
واقعی وہی آواز ہو۔۔۔ سپنے کی باتیں اتنی اچھی طرح کہ
یاد رہاتی ہیں۔“

”لیکن جو سپنا بچپن سے آپ کے ساتھ ہو،“ اے
یاد رکھنا۔۔۔ نہنا نے اس کی بات فوراً ”کاٹ دی۔“

”بس کرو پریتی! تم جانتی ہو کہ مجھے بے کار کی بجھ
پسند نہیں، اور اگر اب مجھے کے کان میں بھنک رہ گئی تو۔۔۔
سارا الزام پھر سے تمہاری مسلم فریڈریکز کو دے گا کہ وہ
کے ساتھ رہ رہ کے اب کہیں سپنوں میں بھی لے گا۔“

سنائی دیتی ہے۔ پھر جاتی رہنا نیلم کے گھر فنکش میں۔

نہنا نے ڈراؤ دیا اور وو دائی خاموش ہو گئی۔ مگر اس کی الجھن جوں کی توں تھی۔



لاسٹ پچ گلر کی بنا رو سازی میں ملبوس ہندن کا بنگالی سیٹ پنسے وہ بست اچھی لگ رہی تھی۔ اس بات کا احساس اسے سب کے ریمارکس اور منصف کی نظروں نے دلایا۔ وہ بھی آج ملتانی طرز کے مخصوص شلوار قیص میں ملبوس بست اچھا لگ رہا تھا۔

”بستی آشیز کی نظریں تم پر ہیں منصف!“ رہ جانے اسے خطرے کا احساس دلایا۔

”اوہ میری؟“ وہ دیکھ اسے رہا تھا اور سوال رہ جا سے کر رہا تھا۔ تجراہٹ میں پریتی ہاتھ میں پکڑا موئینے کی گلیوں کا ہمار مسل کے رہ گئی جوڑ کے والوں کے سو اگت کے لیے تمام رکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ رہ جا اس کے سوال کا مفہوم بھانپتی پا اس کی بولتی نگاہوں کے تعاقب میں ریتی تک پہنچتی گرباڑوہاں چلا آیا۔

”میٹھائی انکل“ مختار الیاسی۔

اس کے ہمراہ ایک خوش پوش اور خوش مزاج سے انکل تھے جوار باز سے خاصی مشابہت لیے ہوئے تھے، صرف داڑھی کا فرق تھا۔ ارباڑا میں شیو تھا جبکہ مختار بیانی کے باوقار چرے پر سمجھنی داڑھی بھلی محسوس ہو رہی تھی، ماتھے پر محراب کا نشان سے ہونٹوں پر مہریاں سکراہٹ سے بے حد شفقت اور خوش دل سے ارباڑا کے بیوستوں سے ملے۔

”میں بریلی سے ضرور آئی ہوں انکل! لیکن وہاں کے بازار میں کچھ گرا کے نہیں آئی۔“ رہ جانے منکھلا کے کھاتھا۔

”پریتی دیون۔“ پریتی نے احتراماً ہاتھ جوڑ کے مبارکہ اس کے چرے پر نظر دالتے ہی باقاعدہ چونک سے گئے، مسکراتے لب پر یک سٹ گئے۔

”دیون۔ پریتی دیون۔“ وہ زیر لب دہرانے لگے۔

”اگر تم ماں نہ کرو بیٹا! تو کیا میں تمہاری مدر کا نام جان سکتا ہوں؟“ اس سوال پر پریتی قدرے حیران ہوئی عموماً ”مکمل تعارف حاصل کرنے کے لیے باپ کا نام دریافت کیا جاتا ہے لیکن یہ تو۔

”نهنا۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے بتایا تو انکل مختار کے پر اشتیاق چرے پر مایوسی پھیل گئی۔

”نهنا۔ اوه سوری مجھے لگا جیسے میں تمہاری مدر کو جانتا ہوں، دراصل تمہاری صورت بست جانی پہچانی کی تھی۔ عام طور پر بچیاں اپنی ماں کا پرتو ہوتی ہیں اس لیے مجھے لکھا شاید تم۔“

”سب یہی کہتے ہیں کہ میں بھی بالکل اپنی ماں جیسی ہی ہوں، ڈاکٹر نہنا ابھے دیون جیسی۔“

”ڈاکٹر!“ وہ پھر سے چونکے ”وہ ڈاکٹر ہیں؟“ اور ابھے دیون۔ کیا وہ بھی؟“ وہ بے تابی سے پوچھ رہے تھے۔

”جی، میرے ماں اپنادنوں ڈاکٹر ہیں۔ کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟“

”جن کو میں جانتا ہوں اگر یہ واقعی وہ ہیں تو میں انہیں بست اچھی طرح جانتا ہوں۔“ وہ عجیب پراسرار انداز میں سکراتے۔

”کیا تمہارے پیر شس۔ بلکہ تمہارے پیپا۔ ان کا تعلق ناگ پور سے ہے؟“

”آئی ڈوٹ نو سر ڈہ بھارت سے ہیں، اتنا تو پہاہے لیکن۔“ بتاتے بتاتے وہ رک سی گئی۔ ذہن میں ایک جھما کا ساہ ہوا تھا۔ کچھ روز پہلے کے ڈاکٹر نہنا کے الفاظ اسے یاد آئے تھے۔

”وہ ناگ پور میں رہا کرتے تھے، لیکن تھے پکے مہار اشتریں۔“ اگر ایک ہفتہ پہلے مختار الیاسی نے اس سے یہ سوال کیا ہو تو وہ بلا توقف لا علی کا اظہار کر دیتی لیکن اب ایسا نہ تھا۔

”ہل، میرا خیال ہے۔ وہ ناگ پور سے ہی تھے کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟“ اس نے ایک بار پھر پوچھا۔ وہ پہلے بخفن تھے جو بھارت سے آئے تھے اور اس کے مالا میا سے شناسائی کا دعوا کر رہے تھے۔

نکلنے کی تیاری میں تھی، بھائی کے رک گئی۔

”لیکن اپنی شاید کوئی مس انڈر اشینڈنگ ہوئی تھی۔ اگر وہ کہتے کہ وہ آپ کے دوست نہ ہو کے ہیں؛ شاید میں مان لیتی، ہو سکتا ہے شادی سے پہلے آپ دوستی کرنے کے معاملے میں اٹھی سخت نہ ہوئیں جتنے اب پیام کی وجہ سے ہیں لیکن ان کا دعو اتحاکہ وہ پیام کے بہت گزرے دوست نہ ہو کے ہیں۔۔۔ ہاؤس پوسٹبل ماما۔۔۔؟ بھلا پیام کی مسلم سے اتنے اچھے تعلقات کیسے رکھ سکتے ہیں ہمیں تھیک کہہ رہی ہوں ہیں؟“ اس نے کافی کاک لبوں سے لگاتے ہوئے پوچھا۔ نینا نے کھوئے کھوئے انداز میں سر رلا دیا۔

”اور دیے بھی وہ نام کے معاملے میں بھی کچھ کنفیوژن کا شکار تھے، ان نیکٹ انہوں نے مجھے بھی کنیفیوز کر دیا۔ ان کی بعض باؤں سے لگ رہا تھا کہ وہ کچھ کہہ رہے ہیں۔“

”مشلا“ کیا تسلی۔۔۔ کیا بتایا اس نے تمہیں؟“ نینا انکتے ہوئے بولی۔ اسے دیر ہو رہی تھی، یہ بات وہ بتا چکی تھی لیکن اب وہ پاسپل کے لیے نکلنا بھول کے اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

”یہی کہہ ڈاکٹر ہیں، یعنی دنوں تی پتھی اور یہ کہ ناگ پور کے رہنے والے تھے، ہمارا شریں تھے، برہمن تھے۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ لیکن ان کی دباؤں پر میرا من راضی نہیں، ہوا ایک تو یہ کہ وہ پیام دوست کی طرح بھی نہیں، ہو سکتے تھے نہ صرف وہ مسلم تھے بلکہ نپیکل مسلم۔۔۔ واڑھی والے، نماز پڑھنے والے۔۔۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ پیام کا نام بھی غلط بتا رہے تھے۔ آن کیا کہہ رہے تھے۔۔۔ وہ ذکر پر زور دالنے لگی ”ان یہ۔۔۔ ایمجیت مہاریوں۔“

”ایمجیت مہاریوں!“ نینا کے ہر اس چرے پر یہ نام دہشت بن کے پھیل گیا۔

”اس آدمی کا نام کیا تھا؟“ نینا نے بے تاب سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔ پریتی نے ابھی بھی ہوئی نظریوں سے اپنے ہاتھوں پر نینا کے سرد اور مردھن ہاتھوں کی مغلوبیت پہنچ گئی۔

”بہت اچھی طرح“ تھا رے پیام ڈاکٹر ایمجیت مہاریوں، میرے بہت اچھے دوست رہ چکے ہیں۔“

”واث دوست؟“ وہ جی بھر کے حیران ہوئی ڈاکٹر ابھی کسی مسلمان سے دوستی کے کر سکتا تھا۔ اسے لگا جیسے اس سے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ اس نے ذہن میں مختار الیاسی کے الفاظ دہراتے اور جیسے کسی نیچے پہنچ گئی۔

”اوہ آئی سی، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، میرے پیام کا نام ایمجیت مہاریوں نہیں، ابھی دیوں ہے۔ شاید نام کی معنویتی مشابہت سے آپ کو لوگا ہو گا۔“

”نہیں، مجھے یقین ہے یہ ابھی دیوں، وہی ایمجیت مہاریوں ہے، اگر واقعی اس کا تعلق ناگ پور سے ہے اور وہ ایک برہمن تھا کہ اورام شیو مہاریوں کا بیٹا ہے اور ہمارا شریں ہے۔“



”نیلم بچ بچ بست پیاری لگ رہی تھی ما! لیکن اس کا دلما۔۔۔ خیر اس کی دیدی مریم کے سبھنڈ کے مقابلے میں تو بستر ہی تھا۔۔۔ وہبے چاکیاں تو اتنی سندھ رہنے کے باوجود خجالت کیے اس پچ سال کے موئے اور سنجے کے چکر میں آگئیں۔۔۔ سیلم کے لیے دلما دھوندتے ہوئے بھی بس دھن ہیں لکھا، ذرا نہ بچ رہا تھا وہ نیلم کے ساتھ۔“

”یہ سب ایشور کا لکھا ہے پرتی! یہ سنجوگ اسی نے بنائے ہوئے ہیں۔۔۔ بس پر ار تھنا کرو کہ وہ خوش رہے، سد اسائیں رہے۔“

”اور پتا ہے ما! ار باز کے ایک انکل بھی انڈیا سے آئے تھے۔۔۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ اگر تو تھا ری شکل تھا ری ماں سے ملتی ہے تو یقیناً“ میں انہیں جانتا ہوں، میں تو بہت ایکسا ٹینڈ ہوئی کہ واپس آکے آپ کو اور پیام کو آپ کے انڈیا سے آئے ایک پرانے دوست کے بارے میں نہ ہوں گی۔۔۔ لیکن۔۔۔ وہ بتاتے بتاتے رک کے تو سی پر مار ملھٹ لگانے لگی اور ڈاکٹر نہنا جو ناشتہ نے فارغ نو کے اب اپنا ابور آں اٹھاتے ہوئے

مرفت کو دیکھا۔

”مختار الیاسی۔“

”خ— تارے مختار الیاسی؟“ نہنا کے ہاتھ ایک چمٹ جیلے پڑ گئے لہا سہیل جانے کے لیے بالکل تاریخی

یعنی اب باہر جانے کے بجائے اس کا رخ اپنے گمرے کی جانب تھا۔

”ماما۔ کیا بات ہے؟۔ کون ہے یہ شخص؟۔ کیا پ۔ مختار انفل کو جانتی ہیں۔۔۔؟“ پریتی بے شمار باؤں کے ساتھ اس کے پیچھے تک گئی تین نہنا کے کمرے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ اس نے پریتی کے کوئی برپکارنے پر بھی جواب نہ دیا تو وہ ان تک کرتے باؤں کے ساتھ ہی یونیورسٹی چلی گئی۔



”وہ یہاں تک چلا آیا ہے۔“

ڈاکٹر نہنا نے ابھے کو بتایا۔ پریتی سارا دن نہنا کے بے فکر مندری تھی، ہمرازے کے بعد بھی جب اس نے کمرے کا دروازہ للاک پایا تو اس کی فکر مندی لو جندی۔ ڈاکٹر ابھے کے آنے کے بعد اس نے دبے لفٹلوں میں اسے مال کے بارے میں بتایا۔

”شاید ان کی طبیعت کچھ نمیک نہیں، بھجھے وہ کچھ نہیں بھی لگیں۔“

”ڈپرنس اور نہنا؟ امپاصل اوکے، میں دیکھتا۔“ اس کے ایک بار دستک دینے پر ہی دروازہ سے گیا اور پریتی نے سکون کا سانس لیا۔

چھپے دری بعد وہ کافی کے دو مگ لیے نہنا کے کمرے۔ ہمی تو اورہ کھلے دروازے سے آتی اس کی خوفزدہ ترے نے پریتی کے دستک کے لیے ابھے ہاتھ کو روک

”تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میا تم نے خود اسے بے ہے؟“ نہنا اس سوال کے جواب میں خاموش تھی۔ جس کا مطلب صاف تھا کہ وہ پریتی کا نام اس بے ابا چاہتی تھی۔

خُر آیا بھی ہے، تم نے دیکھا بھی ہے تو کیا فرق پڑتا

ہے۔ آیا ہو گا کسی کام سے اور فرق تو اس بات سے پڑتا ہے کہ کیا اس نے بھی تمہیں دیکھا ہے پہچانا ہے؟“

”پتا نہیں،“ مگر وہ جان گیا ہے کہ ہم یہاں ہیں، وہ ہمیں ڈھونڈنے کا لے گا، ہم تک پہنچ جائے گا وہ ابھے۔“

نہنا کی آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ رورہی ہے۔ پریتی کے اندر رکھتے سوالوں میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

”انتے بڑے نیویارک میں وہ ہمیں کیسے ڈھونڈ سکتا ہے،“ اینڈ ڈونٹلی سمل نہنا! وہ ایسا کیوں کرے گا۔ اتنا فالتو سے کس کے پاس ہے کہ وہ پیکس سال پرانے سوال کا جواب جانے کے لیے امریکہ تک چلا آئے۔ آیا ہو گا اپنے کسی کام سے۔“

”نمیں بھجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے لیے ہی یہاں آیا ہے۔ وہ صرف ایک سوال نہیں ہے ابھے۔۔۔ وہ اس کے دشوار (اعتمانی) کی بات کھی۔ وہ اسے دشوار کے ٹوٹنے کا حساب مانگنے یہاں ضرور آئے کا ابھے! وہ ہم تک پہنچ جائے گا۔“

”یہ بات تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو۔ کمیں تم بھجھے سے کچھ چھپا تو نہیں رہیں؟۔“ وہ کھٹک گیا تھا۔ اب نہنا کے پاس بتائے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

”وہ دراصل۔۔۔ پریتی وہ مختار الیاسی،“ پریتی تک پہنچ گیا۔ ہمچھے ڈر ہے وہ اسے سب کچھ بتانہ دے۔“

”پریتی اسے کیسے جانتی ہے؟“ وہ خوف جواب تک نہنا کے لجھے میں تھا، اب ابھے کے انداز میں بھی در آیا۔

”وہ اس سے کھل پہلی بار میں سے بلکہ وہ ملا ہے۔ پریتی کی شکل بھجھے ملتی ہے،“ اس لیے وہ فوراً پہچان لیا اور اس سے مزید تعارف لینے لگا۔“

”یہ تو بست برا ہو انہنا۔۔۔! بست برا۔“

”بھی کچھ برا نہیں ہوا۔ بات اتنی آگے نہیں بڑھی۔ ہم اسے مزید برا ہونے سے روک سکتے ہیں،“ ہم یہاں سے چلے جاتے ہیں۔“

”ہاں اس سے بھلے کہ پریتی لو بارہ مختار سے ملے ہمیں یہاں سے کچھ عرصہ کے لیے غائب ہو جانا

چاہے۔ کل تم کسی بھی طرح پریتی کو گھرپہ رونک لو۔
میں پختگی کے لیے کوشش کرتا ہوں۔"

"کل۔۔۔ کل تک تو بست دیر ہو جائے گی، ہو سکتا
ہے کل کارن حتم ہونے سے پہلے پہلے پایا ہمیں لے
کے نیویارک سے نکل جائیں۔۔۔ اور واپس آنے تک
مختار الیاسی کوں ہے؟ اس کا میرے ماں پایا سے کیا
تعلق ہے؟ کیا پایا کی پہچان وہے جو میں جانتی ہوں یا وہ
۔۔۔ جو مختار انکل بتاتے ہیں؟ مجھے ان سے ملنے سے
کیوں روکا جا رہا ہے؟ ایسا کیا ہے جو مجھے نہیں جانتا
چاہیے۔۔۔ کیوں خوفزدہ ہیں ماں۔۔۔ اور پایا۔۔۔ کس لیے
فرار ہو رہے ہیں ان سب سوالوں کا جواب مجھے جانتا ہی
ہو گا اور اس کے لیے میں کل تک کا انتظار نہیں کر
سکتی۔۔۔ مجھے آج ڈبھی، اسی وقت نکلا ہو گا۔" وہ
دروازے سے ہی پلٹ گئی۔



"انکل گھرپہ ہی ہیں حالانکہ آج ہمارا نیوجرسی
جانے کا ارادہ تھا، لیکن نجاںے کیوں انہیں لگتا تھا کہ
کوئی نہ کوئی ان سے ملنے کے لیے آنے والا ہے۔"
اس نے راستے میں فون کر کے ارباز سے ان کے
متعلق دریافت کیا تو اس نے بتایا تھا۔

"اوپریتی! مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔ میں جانتا تھا کہ
کل ہم نے بھلے ہی میری باتوں کو سرسری لیا ہو، مگر تم
آؤ گی ضرور۔۔۔ اپنے پایا کے بارے میں جاننے کے لیے،
یہ جاننے کے لیے کہہ پچھیں سال سے کس کس سے
چھپ رہا ہے اور کیوں۔۔۔ مجھے سے اپنے دھن سے،
اپنے خاندان والوں سے۔۔۔ حتیٰ کہ خود اپنے آپ
سے۔"

"آپ ان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟"
"لقریباً سب پچھ۔۔۔ اس کی اور میری دوستی کا آغاز
آج سے شیس سال پہلے ہوا تھا۔۔۔ جب ہم تینوں
میڈیاکل کانٹے کے اسٹوڈنٹ تھے۔"
"تینوں؟"

"ہاں تینوں، میں، مختار الیاسی۔۔۔ گلکتہ کے ایک
مسلمان تجارت پیش کرنے کا نوجوان ہے۔۔۔ ابیحیت
مہاریوں۔۔۔ تمہارا بابا، تاگ پور سے ولیٰ تعلیم حاصل
کرنے کی غرض سے آیا ہوا ایک کثیر ہمس مدار اشریف۔۔۔
روایت پسند کرنے کا اکلوتا بیٹا۔۔۔ نندلی کہنہ
تمہاری میں، چندی گڑھ کی ایک پنجابی فیملی کی خوب
صورت، ذہین اور اکلوتی بیٹی۔۔۔ ہم تینوں ولیٰ مس
بردی کی تھے۔۔۔ شاید یہی وجہ ہی کہ الگ الگ بیس مخ
رکھنے کے باوجود ہم اکٹھے ہو گئے۔ لیکن جلد ہی از
دوستی کی تکون نے ایک الگ رخ اختیار کر لیا جب
ابیحیت اور نندلی کی دوستی محبت میں داخل ہو گئی اور
میں ان کی محبت کا واحد گواہ ہوں۔"



"ایشور کی کپا سے تمہارے امتحان اچھے ہو گئے
تم ڈاکٹر بن گئے تو میری آشائے کہ میں اور تمہاری بر
تیر تھے یا ترا کے لیے نکلیں گے۔" سفید مدار اشریف
لئکی پسندے شانوں پہ جو گیارہنگ کی چادر رہا تھا، گلے میں
مالا، گھرپہ زندگانی دھے اور ماتھے پر تلک لگائے، وادم
شیو مہاریوں تھا، ٹھاکر ادم شیو مہاریوں، ابیحیت،
بابا۔۔۔

"تیر تھے یا ترا پہ نکلنے کا سے ابھی نہیں آیا تھی دیو۔۔۔
وہ پوچھا کر کے آیا تھا، اس کے ہاتھ سے پرشاد تھے
ابیحیت نے چونک کے اپنی میں کی طرف ریکھا
مکرار ہی تھی۔

"ابھی ہم اپنی سنتاں کے کرتوی سے فارغ نہیں
ہوئے۔۔۔ ابھی اس کا بیاہ کرنا ہے۔۔۔ کسی مندر سی بہو۔۔۔
کے لیے گھر بجا ہے۔۔۔ اس کے بعد تلکیں گے تیر تھے۔۔۔
کے لیے۔" دریا دیوی نے وہ موضوع از خود پچھیا۔۔۔
جس پہ بات کرنے کے لیے ابیحیت بھی بے جی
تھا۔۔۔ اس بارہ نندلی سے وعدہ کر کے آیا تھا کہ اپنے۔۔۔
بابا سے اسی کا ذکر کرے گا، انہیں بتائے گا کہ نہیں
کے لیے بھوٹخ بکھا ہے لیکن چار دنوں میں اے۔۔۔
ایک بار بھی موقع نہ مل سکا۔۔۔ اس کے گھر کا ماحول بے۔۔۔

نہ تھا کہ وہ بے تکلفی سے یہ موضوع چھیڑتا، وہ جبکہ
بی رہا جبکہ نندی اپنے پایا ایڈوکیٹ منوج کہنہ کو اس
کے بارے میں بتایا چکلی تھی۔ وہ تو اسے ان یہ سے ملوانے کا
ارادہ بھی رکھتی تھی۔ اس کے ماں باپ تعلیم یافتہ اور
روشن خیال تھے، تدریے ماڈرن طرز زندگی تھا ان کا۔
اس کے بر عکس ابھیجیت کا گھر انہ سخت نہ بھی تھا۔
اس کے باپ کو پوچھا پاٹ اور زمینوں کے علاوہ کسی
دوسرا چیز میں دچپسی نہ تھی، ماں و دیا دیوی ایک
سید ہمی سادی گھر پیو ہندوستانی عورت تھی جس کی
زندگی کا محور اس کا پتی اور بیٹا تھا۔ وہ دو نوں اپنے
اکتوبرے بیٹے سے محبت تو بے پناہ کرتے تھے مگر ووستی نہ
کر سکے۔ ایسی کوئی روایت ان کے ہاں نہ پائی جاتی
تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اب موقع ملنے پر بھی ابھیجیت
کی ہمت نہ ہو رہی تھی کہ وہ انہیں نندی کے متعلق
اگہہ کرے۔

”یہ بیا یہ راضی تو ہو پہلے۔“ اوم شیونے بیٹے کی
جانب اشارہ کرتے ہوئے گما۔ وہ پچھلی چھٹیوں میں تھی
اس سے شادی کے متعلق بات کر چکا تھا لیکن
ابھیجیت نے اگلے سال پر مثال دیا۔ دراصل وہ اپنی
دور نندی کی تعلیم مکمل ہونے کے انتظار میں تھا۔ اور
بیہقیج موضع تھا کہ وہ نندی کا نام ان کے سامنے
بیکا۔

”میں نے انکار کب کیا ہے پتا جی؟ صرف اتنا کہا تھا
میں اپنی پڑھائی پوری کر لول۔ اب توفار غہوں،
پ کی ایچا (خواہش) پوری ہونے کا سے آن پہنچا
جے۔“ وہ تظریں جھکائے مسکرا رہا تھا۔

”دیا دیوی! تمہاری منو کامنا (تمنا) پوری ہوئی۔
سر اس پوت نہیں ساس بنانے پر راضی۔“
”نمٹا کر جی! باہر مٹی جی آپ کو بیار ہے ہیں۔“ اتنے
کسی نے آکے اطلاع دی۔

”ہرے اوم۔ ہرے اوم۔“ وہ گفتگو ادھوری
جنز کے مشی سے ملنے چلا گیا۔ ابھیجیت کو یہ دخل
زندگی سخت مگر ایک گزری۔ وہ کچھ دیر بعد اسیش
من والاتھا، ناگ پورے نکلنے کے لیے۔ اس لیے

”ماں! تم انہیں سمجھا سکتی ہو۔“

”میں ایسا کچھ نہیں کروں گی اب بھیت! ماں اگر میں ایسا کرو گے تو میں تمہارے لیے پر ارتھنا ضرور کروں گے کہ تم اپنے پتا کو منانے میں کامیاب ہو جاؤ۔“
”اچھا، تم ان سے بات تو کر سکتی ہو نا؟“ ماں کہ تذبذب دیکھ کر اس نے مزید کہا۔ ”مت کرنا میرزا سفارش، صرف میری بات ان تک پہنچا رہا۔ پھر یہ چاہیں تو بھے سے بات کر لیں۔ میں انہیں سمجھا لوں گے کہ ذات پات سب بے کار باشیں ہیں۔ سفارت اپنے لوگ صرف برہمن ذات میں ہی نہیں ہوتے نندلی سے اچھی لڑکی اس پریوار کے لیے اور کوئی بھوئی نہیں سکتی۔“ وہ ماں سے وعدہ لے کر سیدھا چندی گز جا پہنچا جہاں نندلی نے اسے اپنی فیملی سے متعارف کرنے کے لیے بلوار کھاتا۔

اگرچہ ناگ پور سے ولی جا کے ہی وہ ایک نئی بندی سے متعارف ہوا تھا جہاں سب کچھ اس کے قدامت پرست اور رست روایوں میں جگڑے خاندان سے بڑے مختلف تھا لیکن نندلی کے گھر کا ماحول اس کے لے بالکل ایک نئی چیز تھا۔ وہ کھاتے پینے خوشحال لوگ تھے اعلیٰ تعلیم نے نہیں کو بھی وسعت بخش رکھتی۔ منوج کھنہ ایک خوش مزانج اور دوستانہ امداد رکھنے والا باپ تھا۔ اس کے نہیں کل پنجابی دارا، ولیز تک پر روشن خیالی اور اڈرن سوچ اثر انداز ہو چکھی۔ ایس کی ماں، رتو کھنہ پاری گھر انے سے نہیں رکھتی تھی۔ وونوں کی لویں ج تھی اور انہوں نے اب ہو جانے کے لیے ذہب کے اختلاف کی بھی نہیں کی تھی۔ رتو کھنہ پاری ذہب سے علاقہ رکھنے کے باوجودی اس ہندو گھرانے میں پوری طرح رچتے۔ نظر آتی تھی شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ کھنہ ذہب کو دنیا کے ساتھ لے کے چلنے کی قابل تھی۔ ذہب ان کا اوڑھنا پکھونا نہیں تھا۔ ذہبی تھوار فون۔ ہل بھی پورے جوش و خوش اور عقدت سے منہ حاٹتے تھے نندلی کی دادی نے ہر یہ دو گھرانے کی مر جھی کے آٹھنیں میں مسکی لگار کھی تھی۔ مندر بارہ دفعہ

چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے ساری بات ہو جائے باب کے جانے کے بعد اس نے ناچار ماں کو ہی صاف صاف سب کچھ بتانے کا راہ کر لیا۔

”ماں! تھیس اپنی بھو تلاش کرنے کے لیے ادھر اور دریکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہاری بسوپنڈ کر لی ہے۔“

”تو نے؟۔ لیکن تیرے پاک۔“ وہ حیران رہ گئی سی یہ تو اس نے سوچا تک نہ تھا کہ اس کا بیٹا یہ کارنامہ خود انجام دے بیٹھنے گا۔ ناگ پور جیسے چھوٹے سے قبیلہ نما شر کی اس قدیم حوالی میں اپنے کڑنڈ ہبی عقیدہ رکھتے والے شوہر کے ساتھ پوچا پاٹ اور گھرداری میں اک عمر تادیں والی دریا دیوی نے زمانے کے بدلتے قاغنوں سے اب تک انحصار کی۔

”ماں! پوچھو گئی نہیں، وہ کون ہے؟“ لیکن جواب میں ماں کے حیران و پریشان چہرے پہ اشتیاق کی کوئی رقم نہ پا کے وہ زرامیوں ہوا پھر خود ہی بتانے لگا۔

”اس کا نام نندلی کھنڈ ہے۔ بست سند رہے وہ۔۔۔ ایک حدم گوری۔ یہ بڑی بڑی آنکھیں۔“

”کھنڈ ۔۔۔؟“ وہ نام پہ ہی انک کھنڈ۔“ تو کیا کینا بہہمن نہیں ہے؟“ یہ پہلا اعتراض تھا۔

”نہیں۔“ وہ شرمende ہوا جیسے اس میں سراسر قصور اس کا ہو۔

”لیکن وہ اچھے پریوار کی ہے۔ چندی گڑھ سے تعلق ہے۔ اس کے پتا شری منوج کھنہ میڈو کیٹ میرا مطلب ہے لوگوں کے مقدمے لڑتے ہیں، بڑی عزت ہے ان کی سماج میں۔“

”عزت تو تمہارے پتا کی بھی بست ہے اس سماج میں۔ کیا تم نے اس کا خیال کیا؟“

”میں نے کیا کیا ہے ماں؟“ اس نے انجلن بنے رہنے میں ہی عافیت جاتی اور حریت کا اظہار کیا۔

”یہ تو تم اپنے پتا سے پوچھو، وہ بھی کسی دوسری جلت اور دوسری بجا شاکے پریوار سے سنبھالنے نہیں جوڑیں گے۔“ دریا دیوی نے اسے حقیقت سے آگاہ کیا۔

کاموں تک نہ دیا اور انہی برا دری کے درجن بھر میز
لوگوں کے انبوہ میں اسے ہیر گھار کے گھر لے گئے ہی
ان کی موجودگی میں کوئی بات نہ کر سکا۔ منزد ہوش تب
اڑے، جب باپ نے اس کے آگے نیا گور لہار
پھینک کر تیار ہونے کا حکم دیا۔

"یہ یہ کیا ہے؟" وہ متوضہ تھا۔

"تمہارے بیاہ کا جوڑا اور سراۓ ہم تمہاری بھارت
لے کے رائے پور جا رہے ہیں، اپنے دوست میں
موہن پنڈت کے ہاں من موہن پنڈت سے ہمارے
بچپن کا شکنی اب ہمارا سبندھی ہے۔ ہم اسے وہن
دے چکے ہیں اور اگر تم نے اس وہن کے پورا ہونے
میں کوئی اڑجہن (مشکل) پیدا کی تو بھگوان کی سوگندہ،
ہم اپنے پرانا (جان) دے دیں گے۔"

وہ اس دھمکی پر دم بخود رہ گیا۔ ٹکوہ کنال نگابوں
سے مال کی جانب پڑ کھا۔ اس کے چہرے پر سینے سے
برہن کے بے نبی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھی گی اتر
خواہش کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی کہ ہر مندوں عورت
کی طرح اسے بھی پتی کا ہر حکم مان لینے کا سبق گھول کر
پلایا گیا تھا۔ اس کے لیے اس کا پتی "پریشور" تھا اس
کے خلاف جانا و دیا دیوی کے لیے موت کے برابر تھا۔
اینجیت نے ایک نگاہ باپ کے چہرے پر بھی ڈالی۔
آخری نظر تھی جو اس نے کسی امید پر اٹھائی تھی، اُز
کے بعد قطعی ہاوس ہو کے اس نے نظریں بھی جو کہ
لیں۔ اور سر تھی۔ اس نے خود کو مکمل طور پر
حالات کے اور ادم شیو مہاریوں کے رحم و کرم پر چھوڑ
دیا کہ اس کے سواب کوئی چارہ نہ تھا۔ اوم شیو
پتھر میلے چہرے پر اس نے رحم، محبت اور فرمی کی ایسے
رمق تکینہ دیتھی تھی۔

لوگوں کوئی پنڈت اس کی زندگی میں بن بلائے نہ
مانئے چلی آئی۔ وہ اپنے آپ سے "مندی سے اور اُز
کے ساتھ کیسے گئے دھدوں سے اتنا شرمندہ ہوا کہ پر
اس سے ملنے تک کی ہمت نہ کی؟ اس سے ہر رابطہ قبول
لیا۔ مختار الیاسی نے ہی مندی کہنا کو اینجیت
اس زبردستی شادی کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد

لیکن مذہب کے معاملے میں اتنی سختی نہ تھی۔ رتو،
ساس کی دیکھا دیکھی بھی بھار میتے دیتے میں مندر
چلی جایا کرتی تھی، منفل سوت بھی اپنی تھی اور سیندور
بھی لگایا کرتی تھی، کروچوتھ کا برت بھی رکھ لیا کرتی
لیکن اس کے ساتھ ساتھ جس طرح وہ شادی سے پہلے
گوشت اور انڈے استعمال کیا کرتی تھی، سرال میں
بھی اس پر روک نوک نہ تھی بلکہ منوج بھی چکن شوق
سے کھانے لگا تھا۔ جبکہ اینجیت کے ہاں گوشت کا
نام تک لیتا گناہ تھا۔ وہ کسی ایسے گھر میں پالی تکنہ میتے
تھے جہاں گوشت کھایا جاتا ہو۔ اسے مندل کی فیملی کا
دوستانہ اور کھلاڑا لاماحوں بے حد بھایا۔ منوج کہنے نے
بھی بھیشیت ہونے والے داماد کے اسے اوکے کروایا۔

مندل سے بے شمار عمد و بیان کر کے اور مستقبل
کے بارے میں ان گنت خوش آئند خواب پلکوں پر سجا
کے دو اپس دہلی پہنچا تو مختار اس کا منتظر تھا۔

"تمہارے پتا جی آئے تھے تمہارے چندی گڑھ
جانے کامیں نے تو نہیں بتایا مگر انہیں کسی نہ کسی طرح
پتا چل، ہی گیا اور کیسے نہ پتا چلتا جب کہ وہ ایک ایک
سے تمہارے بارے میں معلومات لیتے پھر رہے
تھے۔"

"میرے بارے میں؟ کیسی معلومات؟"
"نہ صرف تمہارے بارے میں بلکہ مندل کے
بارے میں بھی۔" وہ یہ تو جانتا تھا کہ مال سے مندل کے
متعلق علم ہونے کے بعد وہ اس سے بات کرنے کے
لیے بے چین ہوں گے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بتائی
اس قدر رشدید ہو گی کہ وہ اس کے ہاصل پہنچنے سے
قبل خود آن پہنچیں گے

"انہوں نے تمہیں فوری طور پر ناگ پور آنے کے
لیے کہا ہے۔" وہ ایک منٹ رکے بغیر وہاں سے روانہ
ہو گیا۔ رستے بھر رہے اپنے باپ کے مکنے سوالات کے
ایسے جواب تلاش تاربا جو کم سے کم قابل اعتراض ہوں
(ان کی نظریں)۔ اسے دلائل گھر تاربا جن سے باپ
کو مطمئن کیا جا سکے، لیکن اس کی نبوت ہی نہ آسکی۔
ادم شیو مہاریوں نے اسے ہرین سے اترتے ہی سمجھنے

اپنا اثر نہیں کھوتا۔ ہر لحاظ سے ایک نئی زندگی شروع کرنے کی کوشش میں مصروف ابیجیت ایک بار پھر ماوس ہو کیا۔ تو نئی خود کو بدلتے پڑتی رہتی۔ ابیجیت اسے اپنے لئے نہیں بدلا چاہتا تھا، وہ ایسا رام دیو اور شام دیو کے لیے کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی اولاد اس کے دیقانوں خاندان کی بھینٹ نہ چڑھے۔ نندلی کو بھلا دینے کی ہر ممکن کوشش کرنے والا ابیجیت اب تک ذہن سے وہ خواب نہیں نکال سکر کے لیے دیکھتے تھے۔

ایک پہنچتے ہو شحال گرفتے
ایک دوستانہ اور آزاد ماحدل کے
ایک متوازن سوچ و فکروالی زندگی کے
اعلیٰ تعلیم یافتہ "خود اعتمادی" سے مالا مال ذہین اولاد کے

نندلی اس کی زندگی میں نہ رہی، مگر وہ خواب جوں کے توں تھے۔ ان خوابوں کو وہ گوتی۔ رام دیو اور شام دیو کے حوالے سے دیکھنے لگا۔

دو سال گزر چکے تھے۔ اس کی کوششیں جاری تھیں۔ مگر نتیجے؟

(دوسری اور آخری قسط آئندہ ماہ)

اس نے بھی مکمل خاموشی اختیار کر لی۔ ابیجیت نے گوتی کے ساتھ سمجھوتا کرنے کی بست کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ اس میں ایسا کچھ نہ تھا کہ وہ کسی مرد کو سب کچھ بھلانے پر مجبور کر دے اور مرد بھی ابیجیت مہاویوں جیسا، جس نے ایک نڑکی کو پتے مل سے چاہا۔ اور لڑکی بھی نندلی کھنڈنی جیسی، جسے بھلانا مشکل ہی نہیں، تا ممکن بھی تھا۔ نندلی کے مقابلے میں گوتی ایک ولی ہوئی شخصیت رکھتی تھی۔ اس کے گھر لئے کامیاب اور مہاویوں کے بیل سے کمیں بڑھ کے کڑا اور گھٹا ہوا تھا۔ وہ دیواریوں کا دوسراروپ تھی۔ وہی محمد دسوچ، سما سما، خود اعتمادی سے قطعی محروم انداز سے واجبی سی شکل و صورت، معمولی ابتدائی تعلیم۔ اس پی کے پاس صرف ایک وصف تھا کہ وہ شدھ برہمن تھی، مہاراشرین تھی۔ جبکہ نندلی کے بارے میں اوم شیو کا سب سے پڑا اعتراض یکی تھا کہ وہ نہ صرف برہمن ذات کی نہ تھی بلکہ اس کے خون میں بھی ملاوٹ تھی، اسکی مال سرے سے ہندو دھرم سے ہی نہ تھی۔ دیگر کوئی اعتراضات بھی تھے جن میں سرفراست اس کی آزاد خیالی تھی۔ اس کا ڈاکٹر ہونا بھی اس کی خانی گناہ کیا۔ ابیجیت نہ تو اپنے باپ کو نندلی کے لیے قابل کر سکا نہ ہی اس کی موت کی دھمکی کی وجہ سے گوتی سے شادی کرنے سے انکار کر پایا۔ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہ رہ گیا تھا کہ وہ چپ چاپ لقدری کے اس نیلے کو قبول کر لے۔

اس نے ماں باپ کی خوشی کی خاطریہ کڑوا گھونٹ پی لیا اور دوبارہ بھی نندلی کے سامنے نہ گیا اور دلی چانے کے بجائے مدرس میں پریکش شروع کر دی۔ گوتی کو بھی وہ ساتھ لے گیا تاکہ اس مندر نما جو می سے دور رہ کے۔ شرکی آزاد فضائیں اس کے ذہن پر خوشنگوار اڑات مرتب کر سکیں، مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ با میں سالوں کی تربیت اور ماحدل ہمینوں میں

دوسرا (وَالْخَرِيْقِيْلَكِ)

اپنا وجود مسلک نہ ہوتے میں اس کمانی کا ایک ہے۔
ہوں پریتی! جسے خود بھی پکانیں چلا کہ اس سارے
میں اس کی جگہ کمال ہے۔“
”آپ؟“

”ہاں میں“ ابھیجیت نے دلی ضرور چھوڑا گزئے
سے رابطہ نہ توڑا۔ گوئی پنڈت سے اپنی زبردستی
شادی کے بعد وہ مدرس میٹل ہو گیا تھا۔ نندی کے
اپنے آبائی شریمندی گڑھ میں ہی ہی جبکہ مجھے بے
میں جا بمل گئی۔ ہمارا وہ تکون بکھر گیا جو میڈیکن
میں ایک مثال مانا جاتا تھا لیکن تقدیر ہم تینوں کو پھر ایسے
جگہ پہ لے آئی۔ اپنی شادی کے دو سال بعد ابھیجیت
اس پیش لائزنس کے لئے مہینی آیا اور اس پاٹنے
جوائن کر لیا جماں میں ہوتا تھا۔ اسے آئے ابھی چند
ہی ہوئے تھے کہ نندی وہاں چلی آئی۔ شاید اسے محبت
کی کشش کھپچ لائی ہی۔



ابھیجیت مہاویون ناگ پور سے کئی گھنٹوں کے
تھکا دینے والے سفر سے واپس آیا تھا۔ بمبئی آنے کے
بعد گوئی مدرس میں اکیلے رہنے بید راضی اونہ تھی۔ یوں

”رام دیو اور شام دیو۔“
پریتی حیرت سے کہہ اٹھی۔ مختار الیاسی اپنا چشمہ
اتار کے صاف کیا۔

”میں جانتا ہوں یہ حقیقت تمہارے لیے خاصی
تلکیف ہے مگر یہ حقیقت تمہیں تسلیم تو کرنا پڑے
گی۔“

”میں کسے مان لوں کہ یہ سچ ہے پہ بھی ہو سکتا ہے
کہ آپ مجھے بہکانے کے لیے، تمیں شاید آپ
میرے ماما اور پیا کے درمیان غلط فہمی پیدا کرنا چاہتے تھے
ہیں، آپ ان کا ریلیشن شپ کمزور کرنا چاہتے ہیں میں کیا
ایسا ہو گا تمیں۔“ اب تک اشتیاق سے اپنے ماں باپ
کا ذکر سنتی پریتی دیوں داکٹر ابھی کی ایک اور بیوی اور دو
بچوں کا ذکر سنتے ہی سنتے سے اکھر گئی۔

”پریتی! تم انکل کی بات تو سن لو۔ انہیں کیا
ضرورت ہے کہ وہ تمہارے پیرنس کے بارے میں
گمراہ کن باشیں کر کے تمہیں ابھا میں۔ وہ جھوٹ
کیوں بوئیں گے؟“ ارباز نے۔ اسے روکنے کی غرض
سے کہا۔

”جھوٹ تو ایک طرف بیٹا! مجھے سچ بولنے کی بھی
کوئی ضرورت نہ ہوتی اگر اس بارے قصے سے میرا

بیوں شروع سے ہی اس کا دل نہ لجاتھا لیکن اپنا من ہار کے صرف اس کی خاطروہاں رہتی آئی تھی۔ بمبیٰ تک با بھیجیت نے خود مناسب نہ سمجھا۔ دو سال میں پتی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گوئی کے ساتھ شب و روز زارنا اس کے لیے اتنا خوشگوار امر نہ تھا کہ وہ اس کے بھتی رہتے ہوئے اپنی پڑھائی یکسوئی کے ساتھ رکسے۔ دوسری طرف اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ اس کے بچے ماں کے زر سایہ ناگ پور جیسے قبیلے میں اور اس کے آبائی گھر کے گھٹے ہوئے محاول میں نئے زمانے کے تھاموں سے بے بھرہ نہ رہ جائیں۔ اس نے مکمل بیوں کو وہاں بمبیٰ میں ہی بلا ولے گا۔ اس وقت تک کے لیے اسے بمبیٰ میں اکیلے ہی رہنا تھا اور اوم شیو بنادیوں کے حکم کے مطابق ہر مینے ناگ پور میں یوئی بیوں سے ملنے کے لیے بھی جانا تھا۔

ایس دن اسپتال پہنچتے ہی مختار الیاسی نے اسے خبر نہیں۔

”بھیر رہتا ہے“ نندی نندی کھنڈہ ہمارے ہامہشہ میں پائیں ہو گئی ہے۔“ اب بھیجیت کے منہ سے ”کون نندی کھنڈہ؟“ نکلتے کئے رہ گیا۔

ان دو سالوں میں اس نے خود کو یہ دھوکا دینے کی تباہی پور اور مسلسل کوششیں کی تھیں کہ نندی اب بے بھول بسری پیدا نہ کر رہ گئی تھی۔

”چھات تو پھر؟“ اس کی آواز میں لرزش تھی۔ ”تو پھر؟“ مختار حیرت سے اس کے لفظ دہرا کے گیا۔

”تو پھر کیا یہ؟ تم اس سے ملوگے نہیں؟“ ”جب ہم کبھی مل ہی نہیں سکتے مختار تو پھر مل“ کیا کریں گے۔“ وہ پھلی سی مسکراہٹ کے ساتھ تو مختار خاموش ہو گیا۔

بن ابھیجیت اپنے نل کو خاموش نہ کر سکا۔ جو نندی بھنڈا کے اس شر میں اسی ہامہشہ میں اس کے اتنے

قریب ہونے کا سن کے محل اٹھا تھا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سمجھا میا۔ میں اپنے ما تا پتا کے ساتھ ساتھ اب گوئی، رام دیو اور شام دیو میں بھی بٹ چکا ہوں۔ مجھے اب اس کے بارے میں تھیں سوچنا چاہیے۔ لیکن ساری سمجھ بوجھ دھری کی دھری رہ گئی جب آس کا دوپتی ڈی میں نندی کھنڈہ سے سامنا ہوا۔

وہ ویکی کی ویسی تھی بلکہ پلے سے بھٹکے حسین لگ رہی تھی۔ سانہ تو وہ پلے بھی رہا کرتی تھی، بلکہ رنگوں کے پنجابی شلوار سوٹ میں مبوس لیکن اب بلکہ رنگ کی سانہ سازی پر سفید اور دل پنے نہ بست باو قار بھی لگ رہی تھی۔

”کیسی ہو نندی؟“ اس نے نارمل رہنے کی کوشش کرتے ہوئے بوجھا۔

”بانکل ملے جیسی۔“ وہ مسکرائی۔ لیکن مسکراتے سے اس کی آنکھیں پلے کی طرح چمکتیں ایسی ایسی تھیں۔ ابھیجیت نے ان سرمی آنکھوں کو بچا بہو اسا محسوس کیا تو کہہ اٹھا۔

”نمیں بتم پلے جیسی نہیں ہو بست بدل ھنگی ہو۔“

”کیا۔ کیا مطلب؟“ اس کے چہرے کا رنگ پچھے پڑ گیا۔

”مطلب یہ کہ پلے سے زیاد سندھ ہو گئی ہو۔“ ابھیجیت نہ بدل دی۔

۔

۔

تحا۔

”گیا بات ہے ابی محیت؟“ مختار بھی ٹکڑک گزد
”یہ ذاتی درس نہیں ہو سکتی۔“ اس نے پر
ٹکست خور دلخیلے میں کہا۔

”کیوں؟ کیا تمہیں گوتی کی وجہ سے خطرہ ہے
تمہیں طلاق دینے کے لیے آنا کافی کرے گی جس
کے قیاس پر مختار جھلا گیا۔

”یہ اپنی معیبت ہے یعنی اب گوتی سے
روزے انکامیں گی، طلاق دینے سے انکار کریں۔“
”یہ اس کا حق ہے مختار! وہ دوسالوں سے اب
دھرم پنچی ہے۔ اس کے بچوں کی ماں ہے،“
ابی محیت کا بدلا ہے، اس کا نہیں۔ یہ کمیں اور شستہ
کرنا چاہتا ہے تو ضروری نہیں کہ گوتی بھی اس شدید
توڑنا چاہے۔ ”ندلی نے صاف گولی سے کہا۔

”تھمارے دھرم کا قانون نہیں کہ جب چھو
عورت کو کھڑے کھڑے تین لفظ کہہ کے طلاق دے
چاہے وہ تھاری لینا چاہے یا نہ چاہے۔“

”تم اس بارے میں دس فیصد بھی نہیں جانتے۔
اس لیے یہ بحث جانے دو۔ اسلام میں طلاق دے کے
عمل اتنا بھی ہے رحمانہ اور جانبدار نہیں جتنا کہہ
لا علم قسم کے مردیں کی وجہ سے مشور ہو چکا ہے۔
ہمارے ذہب میں بھی عورتوں کے لیے بہت
حقوق اور آسانیاں ہیں۔ انیں بھی خلع لینے کا چر
گیا ہے جبکہ دوسری طرف تھماراہندا دھرم ہے۔“
میں ایک جائز کام کے لیے بھی مشکلات کا سامنا ہے۔
مختار ندلی پر برس پڑا، پھر اس نے ابی محیت پر چج
کی جواب تک سرنیہواڑے بیٹھا تھا۔

”تم چلو تو سی، مشکل ہے ناممکن تو نہیں۔“
قلائل و کیلوں سے بکرا پڑا ہے۔ وہ کچھ ایسے قفسہ کو
چھیلیں گے کہ گوتی و طلاق دیتے ہی بنے گی۔

”وہ تو بعد کی بات ہے، قانون داؤ پچھے ہیں کیون
تب آئے گی جب معاملہ قانون کی حد میں ہو گا۔“

”کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں۔“

”مطلب یہ کہ تم جانتے ہی ہو گے کہ ہمارے“

ناممکن کی بات ہے، دلوں کے طنے کی بات تو تم جانے، ہی
و۔ میں کچھ عرصہ اور اس کے ساتھ رہا تو بھکوان کی
سو گندھ پاکل ہو جاؤں گا۔ من پسند ہستی کا حاصل نہ
ہو بنا جتنا تکلیف رہتا ہے، اتنا ہی تکلیف ہے تا پسند ہستی
کے ساتھ چیزوں بتانا بھی ہوتا ہے۔“

”لیکن تمہارے پچے وہ بہت چھوٹے ہیں، ان کا کیا
دوش ہے۔ میری نظر میں تو تمہاری پتنی تھی مروشوں
ہے مگرے مگرہ پچے ابی محیت کیا ان کے لیے بھی
تمہارے دل میں کچھ نہیں۔ میں ان بچوں سے ان کا پتا
چھین کر اپنی بالی زندگی ایک احساس جنم کے ساتھ
نہیں گزار سکتی۔“

”وہ میرے پچے ہیں اور ٹھاکر اپنا ونش کبھی نہیں
چھوڑتا۔ ان کے نام گے آگے میرا نام سدا گارے گا
اور ان کے جیون کے ساتھ بھی جڑا رہے گا۔ تم چتنا
ست کرو۔ میں ان کی جانب سے کوئی بے پرواہی نہیں
کروں گا۔“

کئی دنوں کی مسلسل بحث و تمحیص کے بعد دنوں
اس بات پر متفق ہو ہی گئے کہ تقدیر کے کیے اس
دوسرے ملاب کو وہ ایک بار پھر جدائی میں پہنچنے نہیں
دیں گے اور ابی محیت کو گوتی سے علیحدگی اختیار کرنا
ہی پڑے گی۔

ابی محیت نے اگلے ہی دن مختار کو اپنے فیملے سے
اکو کیل

”گرفتوں کرتی لیا ہے تو اب قدم پیچھے مت ہٹانا۔
جتنی دری کو گے، ہمت اتنی ہی کمزور پڑتی جائے گی۔
میری ہانو توکل کی بات چھوڑو، ابھی اسی وقت میرے
ساتھ دیکھ کی طرف چلو۔“

”وکیل؟“ ابی محیت اس مشورے سے یوں چونکا،
جیسے کوئی گمراہی نہیں تصور سے ہٹرنا کے حال اٹھا ہو۔
اس کے چرے پر تشریکی ساہ پر چھائیاں چھا گئیں۔

”نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ امپاصل۔ یہ تو
بہت مشکل نہیں، نہیں ہو سکتا۔ کبھی بھی
نہیں ہو گا۔ اور بھکوان میں نے یہ کیوں نہیں سوچا۔“
وہ اپنا سررونوں ہاتھوں پر گرائے تائف بیسے بڑی رہا

میں طلاق بھرے سے ہے ہی نہیں۔ ایک بار جس کے ساتھ سات پھیرے لے لیے، پھر موت ہی اس سے ہاتا توڑ سکتی ہے اور چونکہ ہندو دھرم میں پنچ مرتبے دم تک آپ کی پنچ ہی رہتی ہے، اس لیے اس کی زندگی میں تو دوسری شادی ممکن نہیں۔ یہ دھرم کے لحاظ سے پاپ اور قانون کی نظر میں جرم ہو گا۔ ”اس نے مختار کی علومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

”اسی لیے تو میں نے طلاق لینے کا مشورہ دیا تھا نہیں۔ یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ اندر میں ہندو ایکٹ کے تحت ایک وقت میں لو بیویاں رکھنا قابل تعزیر جرم ہے۔ پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کی کوئی حیثیت ہی تسلیم نہیں کی جاتی اور نہ ہی یہ رشتہ جائز کہلاتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ قانون نے یہ رعایت دے رکھی ہے کہ کسی وجہ سے اگر دونوں الگ ہونا چاہیں تو طلاق لے سکتے ہیں۔“

”ہاں“ لیکن یہ رعایت قانون نے دی ہے، دھرم نے نہیں۔ قانون کی اس رعایت سے فائدہ صرف وہ ڈگ اٹھا سکتے ہیں جن کی شادی بھی قانونی طریقے سے ہوئی ہو۔“

”تو کیا تمہاری شادی غیر قانونی ہے؟ آئی میں الیگ ہے؟“ مختار نے ہونق پن سے پوچھا۔

”وہ نہیں یا رہے“ وہ جھنجلا گیا۔ ”ہندو دھرم کے سارے قاعدے بھاتے ہوئے شادی کرنے کے بعد پنچ شادی کو کوڑت میں جا کے رجسٹر کروانے کے بعد پنچ شادی قانونی ہوتی ہے اور اس کے بعد ہی انسان اپنی شہروں سے متعلق فیصلے قانون کے مطابق لے سکتا ہے۔ بڑے شہروں میں ایسا ہی ہوتا ہے، پھرے لینے کے بعد۔ یا چند روز کے بعد لوگ وکیل کی مدد سے درست میں ج بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن ابھی چھوٹے شہروں میں ایسا رواج نہیں ہوا۔ ہم نے بھی وکیل، جج و رکاوہوں کی موجودگی میں رجسٹر پہ سائیں کرنے کے بجائے اگنی کے سامنے پھیرے لیے تھے۔ ہماری شادی بحدار مک ہے، اس پر دھرم کے قانون لاگو ہوتے ہیں۔“ میں ایکٹ کی زد میں ہمارا رشتہ نہیں آسکتا۔ ”اس

نے حقیقت بیان کی جسے جان کر مختار چپ کا چپ رہ گیا۔

ہل، ابھی تھک کرہ رہا ہے۔ انڈا ایک سیکور دیش ہے۔ یہاں لاءِ تھجی سب کے لیے ہے۔ انڈا ایکٹ ہندو ایکٹ اور مسلم لاءِ ایکٹ۔ جس کے تحت دیش میں رہنے والے کروڑوں مسلمانوں کے لیے فیصلے ان کے دھرم کے قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ ”مندلی نے بصیرہ کیا۔

”اب کچھ نہیں ہو سکتا۔“

”نہیں اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔“ مختار کی آنکھیں یکاک جکنے لگیں۔ مندلی کی بات نے اسے ایک نئی راہِ سماجی تھی۔



”تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے مختار!“

اس کی تجویز سن کر ابھیحیت ہستھے ہے، ہی اکھر گیا۔ مندلی کی حالت بھی مختلف نہ تھی مگر وہ ابھیحیت کی طرح مختار پر برنسے کے بجائے صرف اسے ملامت بھری نظریوں سے دیکھ کر رہا۔ ”جلویونی سی۔ مرنی الوقت تمہارے مسئلے کا اس سے بہتر اور کوئی حل ہو ہی نہیں سکتا۔“

”پلیز مختار!“ نہیں دوست جان کر اگر ہم اپنی پرستی پر ابلعزم تم سے ڈسکس کر لیتے ہیں تو اس کا مطلب چھپ نہیں کہ تم ان کاملاں بناؤ لو۔“ مندلی نے خفگی و کھالی۔

”یار! میں نے ایسا بھی ناقابل عمل حل پیش نہیں کیا جو تم اسے کوئی بھونڈ انداز کچھ بیشے ہو۔ آئی ایم ڈیم سریں۔“ مختار نے اپنی سنجیدگی کا لینین دلانا چاہا۔ ”کسی کو سنجیدگی سے اس کا دھرم بدل لینے کا مشورہ دینا یہ مذاق نہیں تو اور کیا ہے؟“ مندلی نے کہا۔ جبکہ ابھیحیت خاموش رہ کے اپنے اندر اسختے طیش کے ابال کو دیانے میں مصروف تھا۔

”اور مذہب زندگی کی سب سے بڑی اور جائز خواہش سے نکرا آتا ہو تو؟“

”یہی بات تم کرنے پنے دل سے پوچھو جائے۔ تمہارے دھرم کی کسی بابنڈی پر تمہارا دل نہ ملتے۔ تم اپنا دھرم بدل لو گے۔ صرف اپنے ملے سے سے بڑی خواہش پوری کرنے کے لیے ۳۰ جنگت نے چھتھا ہوا سوال کیا۔

”صرف بڑی نہیں ابھی۔ میں نے صرف خواہش۔“ اس نے اپنے الفاظ و ہرائے

”ہمارا دین فطرتِ انسانی کی کسی جو سخیوں پر نہیں نکلا تا۔ یہ انسانی جلت اور فطرت کے سپر کے عین مطابق وضع کیا گیا ہے اس میں بھجتے تھے۔ ہیں، بہت سی ممنوعات ہیں مگر کسی جائز خرچ کر رہتے۔ دیوار نہیں کی گئی۔ جبکہ تمہارے نسبت سے بھجتے۔ دوسری شادی۔ ایک وقت میں مزینیں بکھر جائیں۔ رکھنا لطی حرام ہے، حلا کہ بعض حالات میں یہ صرف ناگزیر بوجاتا ہے بلکہ اسی میں بھلائی چھپتی ہے۔“

”ولیکن اس کے علاوہ بھی تو اس کا کوئی حل ہو جائے۔ ہم مسلمان ہو جائیں۔“

”میرے دواو، مرداو ابندوستان عین تبلیغ کا بکام کرتے آئے ہیں، میرا تعلق ایک نہ بھی گھرانے سے ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں نے نہ صرف تمہروں بخوبی بھی بہت سے غیر مسلموں سے دوستی رکھی“ کہا۔ دوستی کے درمیان بھی نہ مذہب کو حائل نہ ہوتے ہیں۔ غیر مذہب کے دوستوں کی صحبت نے اور یکو اور جو کے ول نزدیک نعروں نے میری اس سوچ کو پختہ کر دی۔ وہ کہ ہر فرد اپنے مذہب کے بارے میں آزاد ہے اور کوئی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی دوسرے کے نہ بھی خدا چینی کرے۔ لیکن اب کچھ عرصے سے خصوصی تھجھی آنے کے بعد اور یہاں کے حالات سے واتفاق ہے۔ کے بعد میری سوچ بدلنے لگی ہے۔ تفصیل میں نہ چاتا لیکن میرے ان نظریات میں تبدیلی کا تاثر تھا۔ محرک تم دونوں بنے ہو۔ میں یہ سوچنے پر مجید ہو۔ ہوں کہ یہ کیا مذہب ہے جس کے قوائد و خوبیوں کوئی عقلی دلیل نہیں۔ اسلام میں کوئی بھی قائمت حس

بھی بات... بغیر کسی لاجک کے نہیں ہے، مگر وجہ ہے

کہ غیر مسلموں کے بڑے سے بڑے اعتراض کا
ذلیل بھی علماء قرآن و سنت کی روشنی میں بست و اشع
بر تسلی بخش انداز میں دے دیتے ہیں۔ اب یہوہ کی
تعالیٰ یا مرد کی ایک وقت میں ایک سے زیادہ شادیوں کو
بلے لو۔ غور کیا جائے تو یہ نظام کتنی قباحتی سے
چھڑا ہے، جائز رہتے موجود ہوں تو کوئی چور دروازے
نہ تلاشتا۔ نفس کو مارنا ایک عام انسان کے بس کی
بھت نہیں۔ میں وجہ ہے کہ حلال راہ بند ہونے پر وہ

”ام راہ پر جل پڑتا ہے۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ نندلی نے شکن آکروپیشانی
سے ساختہ پوچھا۔

”میں تمہیں دائر اسلام میں شامل ہونے کی
بھت دے رہا ہوں۔ صرف تمہارے اس مسئلے کے
بیٹھل کے طور پر نہیں بلکہ اس لیے کہ جس مذہب
کے تم پرداز کار ہو، اس نے تمہیں سوائے دلو مالائی قصے
منیوں کے اور کچھ نہیں دیا۔ یہ تم بھی اچھی طرح
منتے ہو۔ نہ کوئی ضابطہ حیات ہے نہ کوئی آفاقی
زمین و قواعد۔ اسلام دین حیات ہے، وہ تمہارے
بے انسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اگر تمہارے ذہن میں کچھ
خوبی و سبھات ہیں تو تم جتنا وقت لیتا چاہو، لے کتے
جس میں اپنے محدود علم سے تمہیں جس حد تک بھی
نہیں بوا، مقطسیں کرنے کی کوشش کروں گا، اور اگر
مدورت بڑی تو اپنے آبا کے پاس لے چلوں گا۔“

”رکو اچھیجیت!“ نندلی نے اسے یکدم اٹھ کے
بھت باتے دیکھا تو تیچھے سے آواز دی مگر وہ مژر کے دیکھے
ہمیں سے نکل گیا۔

”تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مختار۔“ نندلی
اسے ملامت کی۔

”تم جانتے ہو کہ ابھی کا بیک گرا اونڈ کیا ہے۔ جس
میں تم اپنے دھارک ہونے پر فخر کرتے ہو، اسی طرح
میں ایک شدید برہمن پریوار سے ہے، میں اگرچہ
بے جل فیملی سے ہوں، اس کے باوجود مجھے تمہاری یہ
سخت ناگوار محسوس ہوئی، ذرا سوجو، اس کے مل پر

کیا گزری ہوئی تھیں اس سے سورش مٹا چکے ہیں۔“

”سوری؟۔۔۔ فاروات؟“

”ہمارے جذبات سے کھلنے کے لیے موقع سے
غلط فائدہ اٹھانے کے لیے تم نے ہماری پر ابلم جانی اور
سوچا۔۔۔ یہ اس وقت مل کے ہاتھوں مجبور ہیں، ان
سے کچھ بھی منوایا جا سکتا ہے اور پوں تم نے اتنی چلاکی
کے ساتھ ہمیں ٹریپ کرنے کی کوشش کی ہے اگر
تمہارا دھرم تمہیں ایک نہیں بونے دیتا تو تم ہمارے
دھرم میں آجائو۔۔۔ یہم آن یورسیعن مختار۔“

”میں نے تمہیں ہرگز کوئی لائچ نہیں دیا یہی کیجے ہے
کہ یہ خیال میرے مل میں کل ہونے والی بحث کے
بعد ہی آیا تھا لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمہیں
اسلام کی جانب راغب کرنے کی میٹن پُرش کے
چچے صرف یہی ایک وجہ نہیں۔۔۔ تیر کر کر اپر
سیدھی اور واضح نسب العین رفتہ دن تھا ز
جانب لانے کا خواہش مندوں۔“

”ایسا بھی نہیں ہو سکتا مختار! یہ ہی پر ترستے؟
سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایشور کے لیے اس بُجھ پر ہے،
اس کے آگے میرا بہم تو کچھ بھی نہیں۔۔۔“

نندلی نے پورے ونوں کے ساتھ،۔۔۔ قہر نور تب
اچھیجیت کو اندر تک جانے کا اس باد عناد عترے،۔۔۔
دھراہ گیا، جب اگلے ہی روز مختار سے کہہ رہا تھا۔

”میں مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوں۔“

”مجھے یقین تو نہیں تھا، مگر پوری امید ضرور تھی کہ
تم ایک دن یہی کھو گے۔۔۔ اتنی جلد کھو گئے پہ انداز نہ
تھا۔۔۔ مختار نے کچھ حیران ہے اور زیادہ خوش ہوتے
ہوئے اسے گرم جوشی سے گلے لگایا۔۔۔ نندلی مگر مکر
اس کی صورت دیکھتی رہی۔

”اچھیجیت تم۔۔۔ وہ اس سے زیاد نہ کہ سکی۔۔۔“

”میں کل ہی تمہیں مسجد لے جاؤں گا۔“

”کل نہیں، آج۔۔۔ بلکہ ابھی۔۔۔ اسی وقت۔۔۔“
معطر ب سانظر آ رہا تھا۔۔۔ ایسا نہ ہو، کل تک میرے
قدم ایک بار پھر لڑ کھڑا جائیں۔۔۔ تم نہیں جانتے تمہرے
کتنی مشکل سے یہ نیعلہ کیا ہے۔۔۔ اس کی لمورنگ

اس کی شب بیداری کی مظہر تھیں۔
”فلکت کرو۔ تمہارے قدم انشاء اللہ اب کبھی
نہیں ڈگھا میں گئے کیونکہ یہ قدم حق کی راہ کی جانب
اٹھے ہیں اور اللہ اپنی جانب بڑھنے والوں کی انگلی خود
تمام لیا کرتا ہے۔ تمہیں مجبانے کی کوئی ضرورت
نہیں۔“

اس کی تسلی کے جواب میں وہ اسے عجیب سی
نظریوں سے دیکھ کر رو گیا۔ نندلی کو اس کے تاثرات۔
ناقابل فہم سے لگ رہے تھے حالانکہ اس سے قبل
اسے خوش فہمی تھی کہ ان دونوں کے ماہین حسن محبت
کا ہی رشتہ قائم نہیں ہے بلکہ قابلِ رشک قسم کی اندر
اسی شہنہذنگ بھر بیائی جاتی ہے۔

”عجیبیت! مجھے ایک فیض بھی توقع نہ تھی کہ تم
اتباولہ امشیپ لے لو گے۔ تم نے ایک بار بھی اپنی
فیملی کے بارے میں نہیں سوچا؟“ مختار کے جانے کے
بعد نندلی نے دوبارہ اسے سمجھ دی سے اس کے فیصلے کی
شیکھنی کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

”پہلے ایک بار ان کے بارے میں سوچ کر مجھے کیا
حاصل ہوا تھا؟“ تم سے حدالی۔ میں اب سوائے اپنے
اور کسی کے بارے میں کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتا۔“
اس کے لمحے سے خود غرضی پیک رہی تھی۔

”اس سے تو اچھا تھا کہ یہ ہمت تم تب دکھایتے
جب تمہارے پا جی نے گوئی سے تمہاری شادی
کرنے کا سوچا تھا۔ شاید مجھے سے شادی کر لینے پر وہ اتنا
نہ بگزتے؛ جتنا تمہارے مسلمان ہونے پر ہوں گے۔“
”تب حالات اور تھے وہ سب کچھ بست اچانک
تھا۔ پا جی نے مجھے سے پوچھے بغیر سب طے کر لیا تھا،
بمارات تقریباً“ تیار کھڑی تھی۔ اگر میں انکار کرتا تو شاید
وہ جان دے دیتے۔ یا میری جان لے لیتے۔ دوسری
وجہ یہ کہ اب میں سچیور ہو چکا ہوں اپنے فصلے خود
کرنے کی ہمت ہے مجھے میں۔ اس وقت ایسا نہ تھا۔“

”لیعنی تم صرف مجھے سے شادی کرنے کی خاطر اپنا
وہرم بدیل رہے ہو؟“ نندلی نے تقدیق چاہی اور اس
نے بلا توقف اقرار کیا۔“

”کتنی آسانی سے وہرم کو استعمال کر لیا۔“

تمہارے مسلمان ہونے کی اصل وجہ جانتے۔

”جاننا ہی ہو گا۔ نہ تو وہ ووہ پیتا پچھے ہے۔“

احمق۔“ اس نے لاپرواٹی بر تی۔

”ہم یہ بے وقوف نہیں ہے مگر میں بہت
نندلی نے لختی سے کہا۔

”وہ اب تک یہی سمجھ رہا ہے کہ تم اس نہیں۔“

سے متاثر ہو کے اسلام قبول کر رہے ہو۔“

کوئی رہے ہو۔“

”سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے۔ میں صرف اپنے۔“

تمہارے متعلق سوچنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے بُر شدہ
نندلی کہ کیا تم میرے ساتھ ہو؟“

”میں تمہارے ساتھ ہوں ابھیجیت مگر۔“

کہہ سکتی کہ میں تمہارے ساتھ اتنا بنا قدمر اخنثیت پر
یا نہیں۔ حالانکہ میری فیملی اپنی کنزرسٹو میں جس
تمہاری ہے۔ میں ہمیشہ سے واجبی کی پوچا کر رہا
ہوں،“ تمہارے طرح روز صبح ماتھاٹیک کے گھر رہے
نہیں لکھتی۔ سل میں مشکل سے دو تین بار مندرجہ
ہوں لیکن اس کے باوجود اپنے وہرم سے بٹنے والے
من نہیں ہوتا۔“

”اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتی۔
مگر دیے بھی یہ تمہارے لیے ضروری نہیں ہے۔“
کورٹ میں ج کریں گے اور چونکہ تم غیر شادی شر
ہونے کے ساتھ ساتھ بالغ بھی ہو۔ اس لیے وہی
کے مطابق تم اپنی مرضی سے کسی بھی وہرم کے لئے
سے شادی کر سکتی ہو۔ قانون کی نظر میں صرف یہ
شادی شدہ ہونا رکاوٹ ڈالے گا تو اس کے لئے۔
اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت اور مسلم لاء ایکٹ
سماں الیں مگا جس کے تحت میں ایک بیوی کے ہوتے
وہ سری شادی آسانی سے کر سکتا ہوں۔“

”لیکن مسلمان ہونے کے بعد تمہارا انکاں پس
جائے گا اور جہاں تک میں جانتی ہوں۔ نکاح کی
عورت اور مردوں دونوں کا مسلم ہونا ضروری ہو آتے۔“

باتے مئن بجید سر اخون شیب
”وَأَيْكَ لِكَ بِإِلَيْنَ - نَسْ - بِإِلَيْنَ - وَمَهْ
اور اباجی آیک بات اور بھی بے ہجے:-
”قبل اسلام کے بعد ان بائیک پر صحت فیض
داری بھی آپ کی ہے۔“

اس کی توقع کے عین مقابلہ چونکے
”نکاح۔؟ یہ نکاح وہ اسلام قبل کرنے کے بعد
کرنا چاہتے ہیں یا صرف اس نکاح کے لیے اسلام قبل
کرنا چاہتے ہیں؟“

”میں کوئی بات نہیں آبائی۔ بل وہ دونوں آیک
دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور آن سے نہیں برسوں
سے شادی تو اٹھیں چھو عرصہ کے بعد کرنا ہی بھی
جب ابھی نے مسلمان ہوتے ہیں یعنی کیا تو مندنی پر
 واضح کر دیا کہ اب تک کسی سوچت غیرت کوئی اپنے
نکاح میں لے گئے۔ اس لیے نسخہ بھی رسم مندوں سے
”لیکن یہ رضا مندی سر اسرار ہے۔“ نہ خدا کے
بے جب تک دوستی کی تجھن سے وہ نو جہہ ہیستے
ایمان نہیں اتنی ہوں یا کہ میرے مذہبے کی وجہ سے؟
من کی بات مختارے شرکی ایسے نہ منخدت ابھی
کی پیشی شکنی تھے متعنت چھپا گی تھا۔ ورنہ وہیں
بچھتے کہ ابھیت صرف اس شکنی کے لیے
مسلمان ہو رہا ہے۔ پلے پلے اس کے دل میں بھی یہ
خیال آیا تھا کہ شاید ابھیت اس لیے اسلام قبل کر
رہا ہے کہ اس طرح وہ گوئی سے الگ ہوئے بغیر مندنی
کو پاسکتا ہے لیکن پھر اس نے ان خیالات کو جھٹک
دیا۔

”کیا فرق پڑتا ہے، اگر واقعی ایسا ہو بھی تو یہ کیا کم
کے کہ وہ اسلام قبل کر رہا ہے انسان بماری طور پر
لاچھی ہے خود غرض ہے۔ الگ وہ بھی کسی لاج یا غرض کی
وجہ سے ایسا کر رہا ہے تو فی الحال میرے لیے اتنا کتنی بے
کہ وہ کم از کم مسلمان تو ہو رہا ہے نہ صرف۔ بنکے ہر
کو خاطر مندنی ہی۔ ایکبار و دوسری اسلام میں داشت ہو
جا میں تو مجھے یقین ہے کہ اسلام کی تعلیمات ان
دل میں گھر کر لیں گی۔ اللہ بھی میرے نہ کرے بھروسہ۔“

کیا مختار تھا میرے مسلمان ہونے کے بعد تمیز نہیں
نکھنے سے یعنی ایک ہندو سے شادی کرنے والے ہیں۔“
”میں اس کی اجازت کا محتاج نہیں ہوں۔“ وہ بھر
کے بولا۔

”اس کا کام بس یہیں تک نہیں کیونکہ اس کی مدد
کے بغیر میں اتنا براقدم نہیں اٹھا سکتا۔ قانونی کارروائی
بوجائے، دستاویزات اور ثبوت میرے پاس آجائیں،
ہم سے پہلے میں مختار کو ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ اس
لیے اسے خوش کرنے کے لیے تم بھی اس نکاح کے
درامے میں شریک ہو جانا۔“

”وہ امام؟“

”بہل تو کیا تمہارا خیال ہے، میں ساری عمر یہ بوجھ
سرپر لادے رہوں گا۔ نکاح تو بس دکھاوے کے لیے ہو
گا۔ ہم اگلے ہی رلن کو رث میں ج بھی کر لیں گے۔ اس
کے بعد تاون کی نظر میں ہم میاں بیوی ہوں گے۔
کوئی ہمارے رشتے کو ناجائز نہیں کرہ سکے گا۔ گوئی اگر
میرے ساتھ رہنا چاہے گی تو اس کی مرضی اور اگر
طلماق لینا چاہے گی میں خوشی خوشی دے دوں گے۔
مسلمان ہونا صرف ضرورت اور جبوری کے تحت
مختار نہیں کی حد تک ہو گا۔“ اس نے اپنے اصل عزم
سے آگاہ کیا۔



مولانا سجن الیاسی۔ مختار کے والد جو عالم دین تھے
بیٹے کے بلا نسبہ فوراً ہی بمبئی آن پنچے
”بجزاک اللہ مختار!“ تم نے آج الیاسی خاندان کا
فرزند ہونے کا حق ادا کر دیا۔ کسی را دے سمجھنے ہوئے کو
سیدھے رستے پر لانا بڑے ہی ثواب کا کام ہے۔ کہاں
ہے تمہارا دوست؟“

”صرف ایک نہیں اباجی،“ میرے دو دوست حلقة
اسلام میں آتا چاہتے ہیں۔ ”فون پا اس نے انہیں
خشیل سے آگاہ نہیں کیا تھا۔“

”مگر تم نے تو صرف ابھیت کا ہم لیا تھا۔ اب
ہشائے اللہ دو دوستوں کا بثار ہے ہو یہ تو دو گئے ثواب کی

کے دلوں میں اسلام کی تجھی محبت ڈال دے گا۔“
اس نے یہ تاویل دے کے خود کو بدلایا تھا،“ تب
تک وہ ایمیجیت کے عزائم سے واقف نہیں تھا۔
مولانا بجان الیاسی سے بھی اس نے یہی کہا۔

”اگر نندی صرف ایمیجیت کے لیے اسلام قبول
کر رہی ہے“ تب بھی ہمیں اعتراض نہیں کرنا چاہیے
کہ بہرحال کسی بھی راستے سے سی۔ وہ حق کی
جنتب توبہ بہرہ رہی ہے۔ مجھے پورا لقین ہے کہ ایک بار
حق کی راہ پر آئے کے بعد اس کا فل خود بخود سچائی کی
جنتب میں ہونے لگے گا۔“

”ہن شاء اللہ تعالیٰ۔“

امگوہ ان جمیع مساجد میں بجان الیاسی نے ان دونوں
کو حق مہمہ داخل کیا۔

”سے گولکی درتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور گواہی دتا
ہوں کے محو لشکے بندے اور رسول ہیں۔“

وہ ملن کے بتائے سارے کلے دہرا آگیا۔ مگر اپنے
ٹرے سے ہن پتھر کی سورتیوں کو نہ ہٹا سکا۔

ہس کی زبان اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرتی رہی۔
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان
وہ نہ ہاتھ لکھ کر تی رہی مگر اس کے کانوں میں پچپن کی
کن خود بیل کی طرح بھجن گئی بخت رہے۔

”اے یا بکریہ ایمیجیت مسلمیوں نہ رہا،“ محمد علی[ؐ]
بیوی۔ یہیں مجبوبہ بیکن الیاسی اس کا فل نہ بدل سکے،
بھتیجی کیوں درپیڈ میساید نسب تھا جسے اپنی زندگی اور
وقت سنبھرنے کا موقع ڈا بھی تو اس نے اس سے
بھٹکا۔ اُنہیں شاید ملن میں سے تھا جن پر توبہ اور
بھٹکا کے دوستے اُنہیں نہ بند کر کے تھے۔ یہی
بھٹکا کر کر پڑنے کے بعد بھی ان ”مسلمان“
بیٹھنے سعادت حاصل نہ کر سکا۔

تھیں ہمیزی مور اسریہ میں ہم نورن علی رکھا گیا۔ اس
کے نزدیک مسجد و فنون بھتیجی پر معلما گیا۔ اس موقع پر رتو
کچھ نہ خود نہیں کر کرہے بیٹھیاں تھیں موجود تھیں جبکہ
ایمیجیت نے اپنے کو دوست یا واقف کار کو ملا نے کی

زندگی کیا تھا۔ صرف بھکار میجیت
بھی اس لیے کہ وہ اس سارے عمل کا اہم جزو تھا۔
”تم اس بات کو اتنا خفیہ کیوں رکھنا چاہیے
اس نے بھی اس رازداری کی وجہ جانتا چاہیے۔“
”میں چاہوں بھی تو اسے خفیہ نہیں روئے
نندی کو میں اپنے گھر لے جا رہا ہوں،“ تاہم سے حسر
شادی سب کے تعلم میں آئے گی۔ کچھ دنوں تھیں
تاگ پور تک بھی پہنچ جائے گی۔ اس کے جریءے
مسلمان ہونا بھی سب سے ظاہر کرنا پڑے گا۔ تھیں دن ہو
میں ایسا نہیں چاہتا۔ مجھے خود کو ذہنی طور پر تیر۔
کے لیے کچھ وقت چاہیے۔“ لیکن اسے یہ سے حر
کہ جو بھی ہونا تھا، وہ اتنا جلد ہو جائے گا کہ اسے سمجھ
کاموں کرنے لے گا۔

اسی شام بہبی کے پر رونق علاقوں میں بننے والے
مسلم طلباء کے دو گروپس کے درمیان فل بولی خیز
جانب کے دو تین نوجوان مارے گئے اور کئی بیویوں
ہوئے۔ جب بھی حالات سدھرنے لگتے تھیں اسی تاریخ
نہ کوئی واقعہ ہندو مسلم تازے کوئے سرے سے
دے دالتا تھا۔ اب بھی کسی ہوا۔ اگلے کئی روز شہر
مختلف حصوں سے دونوں فریقین کے ہائین ڈیجیت
خبریں آتی رہیں۔ کئی بے گناہ مارے گئے، منیجہ م
من دروں یہ حملے کے گئے۔

یہ ان کی شادی کا چھٹا روز تھا۔ پانچ دن کی پچھی
دونوں نے گھر پر گزاری کر لی۔ ملی ایمیجیت پہنچ
بھروسہ ملازم تھا۔ اس لیے اس کی جنتب سے
سوال جواب کی امید نہ تھی البتہ اس نے اپنے سو
قبول کر لینے والے ڈرامے کے بارے میں تھی۔
شادی کے بعد وہ پہلا دن تھا جب دونوں اپنے
گئے۔

”میں کا کافی گھر کا خیال رکھنا۔ ہنگامے مبتیجوت
ہیں۔ بلا ضرورت گھر سے مت لکھنا، یہ نہ بوکھی
اخبار میں تمہاری تصوری پچھی ہو۔“
”رام رام۔“ وہ اس مذاق پر واقعی خوفزدہ تھا۔

اور تیس پہنچی نے سے مجھ تک شیخ : - نہ میرا
محر زد نہیں نہیں بھی تو تمیں مدارث بے نہ
اسے ”

وہ طیش کے علم میں چلانے لگا۔ اور کے پرشن
میں رہتے مالک مکان کی بیوی نے سن گئی ملتے ہی کے
پیٹ لیے

”رام رام، کل جگ آگیا ہے کل جگ۔ اچھے بھلے
خاندانی لوگ کے نے یا پ بغیر کسی خوف کے کرنے
لگے ہیں۔ رکھیل کو پتی کہہ کے گھر میں رکھا ہوا ہے۔
جب ہی تو پہلے دن جب اسے گھر لایا تو نہ ماتھ پہ تلک
تمہانہ مانگ میں سندور اور نہ ہی لفے میں منگل سوتہ
میں نے ٹوکا تو آگے دن منگل سوتہ پین لیا“ اور وہ
ڈاکٹریں دیکھنے میں توبہ بھولی بھائی اور اچھے پریوار
کی لگتی ہے اور پھر تو بے تو بے“

ان دنوں کے نکلنے کے کچھ ہی دری بعد سدھار تھے
پنڈت وہاں چلا آیا۔

سدھار تھے پنڈت ہم تو تمی کا برا بھائی یعنی ابیجیت کا
سala تھا۔ وہ بمبی کسی کام سے آیا تھا تو بھنوئی سے ملنے
کے خالی سے یہاں بھی چلا آیا۔

”ڈاکٹر یا بورا اور ان کی دھرم پتی ابھی ابھی ہبتال مگنے
ہیں۔ آپ کوئی ہیں شرپمان؟“

”دھرم پتی؟“ وہ اپنا تعارف تک کرانا بھول گیا۔
اگر رات ہی فون یا اس کی بات اپنی بیٹن گوتی سے نہ
ہوئی ہوتی تو وہ یہی سمجھتا کہ شاید وہ بمبی آئی ہوئی ہے
لیکن اسی کو تو ناگ پور میں فون کر کے اس نے یہاں کا
پتالا تھا۔

”مگر گوتی دیدی تو ناگ پور میں ہے؟“

”کون گوتی؟ میں تو ابیجیت بیوی کی دھرم پتی کی
بات کر رہا ہوں، ڈاکٹر نہیں کی۔“

”کب کی ہے ڈاکٹر صاحب نے شاری؟“ نہ اب
قدارے شنجعل کر محتاط انداز میں پوچھ رہا تھا۔
”یہی کوئی ہفتہ بھر پہلے آپ ہیں کون؟“ اس کا
سوال برقرار تھا۔

”تمہارے ڈاکٹر یا بورا کا سلا۔“ تصدیق کر لینے کے
بعد اب سدھار تھے کوئی غیض و غصب یہ قابو نہ رہا
اور وہ دروازہ کو لات مار کے، ملی کو پرے دھکیل کے
اندر داخل ہو گیا۔

”کیا بلتے ہو؟ نہیں جی کا کوئی بھائی نہیں۔ ان کی
صرف ایک ماتاجی ہیں اس بھرے سنار میں اور اگر
ہوتا بھی تو تمہارے جیسا بد معاش نہ ہوتا۔ کون ہو
تمہے؟ کوئی چوڑے یا داکو؟“

سدھار تھے کو دھشت میں سارے گھر میں دندناتے
پھرتے دیکھ کر ملی نے پوچھا۔ شر کے حالات بھی ایسے
تھے کہ کچھ بھی ممکن تھا۔

”اس ڈاکٹر کا اصل سلا، وہ میری بیٹن گوتی کا پتی
ہے۔ اس کے دو بھوؤں کا پتا ہے۔ اس نے کیا سمجھا تھا
کہ شر میں چھٹپکے وہ یہاں اینی رکھیل رکھ سکتا ہے۔“

بنیو کپور کی کتاب گھانا خزانہ کی کامیابی
کے بعد لذیذ کافی اون کی ترکیبیں

انڈیں گھانے

سن جیو گپور

قیمت : ۲۵۰/- روپے

ڈاک خرچ : ۱۰/- روپے

آج ہی گھر بیٹھے منگوانے کے لئے
280/- روپے کامنی آڑ دیا ڈبافت

ارسال کریں۔

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائی جسٹ

37۔ اردو بازار کراچی

فون : 2216361

منشوں میں یہ بات آس پر دوس تک پھیل گئی۔
”پتی کے ہوتے ہوئے دوسری عورت رکھی ہوئی
ہے“ ”دکس دھڑلے سے نائک کھیل رہے تھے۔“
ان کے واپس آنے تک مالک مکان ان کا سارا
مکان دروازے سے باہر پھینک چکا تھا۔ سدھارتہ
نے فون کے ذریعہ ناگ پور اور رائے پور میں بھی یہ
خبر پسخدا دی تھی اور خود دروازے پر ان کا منتظر تھا۔
محلے والوں کی باتیں سن کر نندی کا رنگ زرد پر چکا تھا،
خود ابھیجیت اس صورتھال کے لیے ابھی ذہنی طور پر
تیار نہ تھا۔ اس کی سمجھی میں نہ آرہا تھا کہ پہلے مالک
مکان اور محلے داروں کے اعتراضات اور الزامات کی
صفائی پیش کرے سدھارتہ بندٹ کو شہنشاہ کرنے کی
کوشش کرے یا پھر اپنے گھر فون کر کے اوم
شیو مہاریوں کو وضاحت کرے۔ وہ ہر جانب سے گھر چکا
تھا۔

”یہ شرپیوں کا محلہ ہے، ہم ایسے پاپوں کو رہنے کی
اجازت نہیں دے سکتے۔“ ان کے پڑوی تھے
”تم نے جھوٹ بول کے گھر کرائے ہی لیا ہے تم
نے انی رکھیل کو پتی بنایا ہے۔“ یہ مالک مکان تھا۔
”بگو اس مت کرو۔ میں نے نندی سے شادی کی
ہے، گورت میں ج، قانون اس رشتے کا گواہ ہے۔ تم کون
ہوتے ہو اس رشتے کو گالو بینے والے۔“

”کیسی شادی؟“ سدھارتہ گرجا۔ ”اگر یہ شادی
ہے تو ڈھالی سال پہلے میری بہن کے ساتھ کیا کیا تھا۔
ابھیجیت مہاریوں! کوئی ابھی زندہ ہے، میری نہیں وہ
تمہاری بیلبتا پتی ہے اور تمہارے دو بیٹوں کے ساتھ
تمہارے ہی ما تاپا کی چھلایا میں، تمہارے اپنے گھر میں
رہتی ہے۔ اس کے بعد اس عورت کی کیا حیثیت رہ
جاتی ہے تمہاری زندگی میں؟“ سے گالی نہیں دیں گے تو
اور کیا گریں گے۔ یہ شادی وادی کا نائک میرے
سامنے مت کھیلنا۔ چار کتابیں، ہم نے بھی پڑھ رکھی
ہیں۔ گوتی کے ہوتے تم دوسری شادی کرہی نہیں
سکتے۔ اس کی زندگی میں تم کسی بھی بدو سری عورت سے

جو سبندھ رکھو گے وہ تاجائز ہو گے، سرا سر بچا۔“
صورتھال سے گھبرا کے نزدیکی پیٹ پر ۰۰
ابھیجیت نے مختار کو فون کیا۔ وہ دس بجے
اندر اندر روہاں موجود تھا۔

”یہ ابھیجیت مہاریوں نہیں، محمد ثلثے ۰۰
کی الہیہ بیکم نورین علی ہیں۔ پچھلے ہی بختے تھے۔
اسلام قبول کیا اور میرے والد مولا نا سجن؟“
ان کا نکاح پڑھایا۔“

اس کے اس نے تعارف پر سارے مجتمع ۰۰
سانپ سونگھے گیا۔ سدھارتہ پھٹی بھٹی آنحضرت سے
اپنے ”جیجا جی“ کو دیکھنے لگا جو اس سے نظر رکھتا تھا۔
یہ صورتھال تو اس کے اندازے سے بھروسہ
تھکیں ٹابت ہو رہی تھی۔ حیرت اور بے شکنی ۰۰
قدر شدید حملہ تو اس پر تباہی نہ ہوا تھا جب اسے
اپنے بہنوں کے کسی دوسری عورت کے ساتھ رہنے پر
خربی تھی۔

”اور مشر سدھارتہ بندٹ! یہ میرے دوست خود
علی کی جائز، حقیقی اور قانونی یوں ہیں، آپ ان رکھیت
کو چھٹیج نہیں کر سکتے۔ رہا آپ کی بیشیرہ کا سب اور
تو وہ اب ایک مسلمان شوہر کے ساتھ اپنا تعاقب برقرار
رکھنا چاہیں تو یہ ان کی مرضی پر منحصر ہے۔ محمد ثلثہ
قطعاً“ کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ درستہ حقیقت تو یہ ہے۔
تب دلی نہ ہب کے بعد اس شادی کی اب کوئی حیثیت
نہیں رہ جاتی۔“

”یہ یہ کیسے ہو سکتا ہے جیجا جی! کہہ دیں،
مولا جھوٹ بک رہا ہے۔“

لیکن ابھیجیت سر جھکا کے رہ گیا۔ اس کا یہ ۰۰
سدھارتہ کو باور کر گیا کہ مختار جھوٹ نہیں کہہ رہا
لیکن مختار کو اپنے دوست کا یہ شرم سار سا اقرار بند
آیا۔ بعد میں وہ اس پر برس پڑا۔

”محمد علی! تم اب مسلمان ہو اور کسی ایمان روا
یہ کمزوری نہیں دیتی۔ اگر تم نے اپنے دل کی تباہی
تر رضا مندی کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے تو خیر ۰۰
کا اعلان کرو، سر جھکا کے نہیں سر اٹھا کے کہو کہ تم بھی

ہے ہو۔ جبکہ تم اس کے بر عکس یوں شرمند
ہے سے نظر آرہے تھے جیسے خدا خواستہ تمہیں
یہی عمل کا فسوس ہو رہا ہو۔ ”

تمس، نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ ” وہ گز بڑایا۔

مارتھہ ایک شدت پسند ہندو نہیں، جنہیں کام

نہ تھا۔ یہ بات ابیحیت جانتا تھا لیکن اسے

ڈنڈ کر وہ سابقہ رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے

خیل و غصب کو اپنے تک محدود رکھے گا۔ لیکن

یہ خام خیالی دھری گئی دھری رہ گئی، جب رات

خشہ سنج کرنے کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ انتہا پسند

مذکور کے لیے یہ ہٹک آمیز اور ناقابل قبول امر تھا کہ

یہ من شاکر مشرف بہ اسلام ہو گیا۔

بیحیت کے گھر کے مقفل دروازے پر پھراؤ کاٹا گیا،

بہترین کی گئی ڈنڈوں سے کھڑکیوں کے شیشے

بے کئے رہ اور نندی گھر کے سب سے پچھلے

میں اندر ہرا کیے بیٹھنے خوف اور وحشت سے

جتہ رہے۔ سد مار تھہ کے ساتھیوں نے بھلی، فون

پیس کے کنکشن تک منقطع کر دیے تھے۔ وہ

ڈنڈوں تک ہٹر بازی مچانے کے بعد وہ لوٹے تو محلہ

بیحیت کے گرد جمع ہو گیا۔

حیرا بھی، اسی وقت یہ گھر اور علاقہ چھوڑ دو۔ ” ان کا

فوت۔

بیٹھے اس ہا کا کرایہ بھی نہیں چاہیے حتیٰ کہ

وجہ سے میرے مکان کا جو نقصان ہوا ہے، میں

جنور تاہوں لیکن تم یہ مکان خالی کرو۔ ” مکان

میں سخت خوفزدہ تھا۔ شر کے حالات، ہی اس قدر

تھے کہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ صرف یہ علاقہ ایسا

ہے۔ اس تک امن و امان برقرار تھا، شاید اس لیے

ہے۔ بندوں اکثریت والا علاقہ تھا جہاں اکابر کا مسلمان

ہے۔ ان کا وجود پھر بھی قابل برداشت تھا لیکن کسی

وہ مسلمان ہونا اور وہ بھی ان حالات میں جب ملک

ہے۔ بندوں مسلم فسادات زوروں پر تھے، ان سے

تھت نہ ہو رہا تھا۔ کچھ لوگ غفار کے گھر بھی پیچ

س کا قصور یہ تھا کہ اس نے ایک اوپری ذات

والے عزت دار ہندو کو درغلا کے اپنے نہب میں
 شامل کیا تھا۔

یہ صورت حال دنوں کے لیے تکمیل تھی۔
غمدار نے مشورہ دیا۔

” کچھ عرصے کے لیے ہم چھٹی لے کے کسی محفوظ
مقام پر چلے جاتے ہیں۔ ”

” گھر سے زیادہ محفوظ مقام اور کیا ہو سکتا ہے لیکن
میرے لیے تو یہ بھی ممکن نہیں، میں تو نندی کو لے کے

تمہاری طرف آ رہتا اور تم خود بدل سے۔ ”

” نندی میں پورین۔ ” اس نے تھوڑی کہ۔

” ہاں وہی۔ ” ابیحیت نوکے جنے
چھپھلا دیا۔ ” اب بتاؤ میں کیا جیسی ہم تو اپنے ابا تک
گھر کے بجائے الہ آباد اسے بھر سے بلی ہیدر آباد
اپنی پھوپھی کے گھر بھی جائے ہو جو فوج سے بالکل
محفوظ نہ اتے ہیں اور جمل مسلمانوں پر بڑی میں خطاو
نہیں لیکن میں تو ناگ پور بھی نہ سمجھ سکتے۔ ”
سے میں بات ہوئی تھی۔ ہن تک پہنچ کر وہی کے
پیاسے اور پکوں کو رائے پور لے جائے ہے۔ یہ اور وہ
کی پیچایت میں پا جائی پ۔ خوب لعن تھوڑی کی تھی اور
میرے پا جائی جن کی اپنے خانے میں اتنی عزت ہے،
ان یہ مندر کے پنڈت نے اندر را خش ہونے پاہندی
لگادی کر دیکھ لیا۔ ” اسے کو جنم دینے کا پاپ کر کے
ہیں۔ پیاسی جی نے صاف اعلان کر دیا کہ اب ان کی زندگی
تلی اور گھر میں میرے لیے کوئی جگہ نہیں اگر کبھی
زندگی میں میرا اور ان کا سامنا ہو تو وہ مجھے اپنے ہاتھوں
سے مار دیں گے۔ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ
مجھے ان کی چمٹا کو اگنی دینے کی اجازت نہیں۔ ”

” ہوں۔ ” وہ سوچ میں پڑ گیا پھر فیصلہ کرنے لعجے
میں کھنے لگا۔

” یوں تو میں اپنے گھر جا رہا تھا لیکن اگر تمہیں اور
نورین کو پناہ چاہیے تو میں تمہیں اپنا ابا جی کے گھر کے
بجائے ہیدر آباد میں اپنی پھوپھی کے گھر لے چتا ہوں،
وہ تمہیں سہماں بنانا اپنی سعادت سمجھیں گے۔ ایک تو
ہیدر آباد ویسے بھی محفوظ علاقہ ہے۔ وہ سرے یہ کہ

میرے پھوپھا جی وہاں کی اہم سیاسی و سماجی شخصیت ہیں ان کے ہاں نوئی تمہیں کرند بھی ہمیں پہنچا سکتا۔ ان کا بہت اثر و رسوخ اور پہنچ ہے وہ تمہیں جلد ہی وہاں کے کسی اپنے ہائیسٹ میں سیٹ کر دیں گے کوئی تمہارا پچھلا حوالہ سیں جانتا ہو گا۔ اس نئی پہچان کے ساتھ ایک نئے شرمنی نئی زندگی کا آغاز ہی تم دنوں کے لیے بنتا ہو گا۔

اس شرمنی نئی زندگی گزارنے کا ابھیجیت کا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا لیکن وقت کا تاخدا یہی تھا کہ وہ فی الحال مختار کی باتیں لے

حیدر آباد میں اس کی پھوپھی کے گھر ان تینوں کا سر مجوسی سے استقبال ہوا۔ مختار الیاسی کے اباجی کی طرح ہیں کیا یہ بڑی بہن بھی اپنے دینی عقائد میں بست را ختم کیں۔ ان کے گھر کا ماحول بھی مختار کے گھر سے مختلف نہ تھا۔ جلد ہی ابھیجیت کو گھبراہست ہونے لگی۔

”ہم یہاں سے ابھی نہیں جا سکتے۔“ نندی نے سمجھایا۔ ”تم اخبار نہیں پڑھ رہے کیا؟“ وہ آن کر کے دیکھ لو، بہبی، ٹلکتہ ڈلی، امر تر سب ہی جگہ قتل و غارت ہو رہی ہے مسلمانوں کے گھر جلانے جا رہے ہیں مسجدیں شہید کی جا رہی ہیں، مسلمانوں کو ان کی ملازمت سے محروم کیا جا رہا ہے۔ ہم اپنی بدلتی شاخت کے ساتھ کس شرمنی پناہ حاصل کریں گے؟“

”لیکن وہ مختار کا پھوپھا اور وہ اس کے مولوی بیٹے وہ جو پانچوں وقت مجھے مسجد گھیٹ کے لے جاتے ہیں۔ وہ میرے لیے کس قدر تکلیف ہے،“ تمہیں کیا بتا؟“ وہ آزاد بابا کے بے بی سے کہہ رہا تھا۔

”تو میں اس گھر کے اندر کون سا سکون سے بیٹھنے ہوں۔“ وہ بھی جز گئی۔

”مختار کی پھوپھی اور اس کی وہ بھوپھی وہ بوڑھی بیوی، جو اس جوانی میں بھی جو بیس میں سے اٹھا رکھنے میتھے پر گزارتی ہے، کسی کس طرح سے مجھے تک کرتی ہیں۔ مجھے گھنٹہ لے کے بیٹھ جاتی ہیں، اسلام پر“

لیکھ رہے۔ پردہ، شرم، حیا، نماز، روزن اور جو ہے کیا۔“ اس نے ہاتھ لرالرا کے کہا۔

”اتنی چیز کاری تو میری اپنے دھرم سے۔“

بھی نہیں تھی جتنا ان چار دنوں میں اسے۔

میں چان چکی ہوں۔ پوجا یات میں تو میرا شجو۔

من نہیں لکھا تھا، اب ان کو دکھانے کی خواہ نہ۔

کیسے سیکھوں؟ اور وہ بھی اتنی مشکل بھٹھاڑی۔

”میں جتنی دیر مسجد میں ان کو دکھانے کا خواہ نہ۔“

ان کی نقل میں نماز پڑھنے کو شش کرتا رہتا۔

سے میرا من کامپارتا ہے، پتا نہیں بھگوں بھٹھاڑی۔

بھی کرے گایا نہیں۔“ اس کی آواز بھر آئی۔

”یہ تو تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا، بھی۔“

”میں نے یہ کب سوچا تھا کہ مجھے صرف سر۔“

کملانا نہیں پڑے گا بلکہ مسلمان ہونے کا ہے۔

کرنا پڑے گا۔ میں تو صرف کانہ ذات کی حد۔

قانون کی نظر میں مسلمان کملانا چاہتا تھا، اک تسلی۔

اور میری شادی کو کوئی چیختنہ کر سکے مجھے کیا پڑے۔

بھگوں بھٹھے میرے اس کرم کی اتنی بڑی سزاد۔؟

مجھے دن رات پچھتاوے کی لگ میں جلنادر رہتا۔

ایک منٹ کے لیے کوئی میری جان بھٹکنے کو تیار۔

تھبی کلمے سکھائے جا رہے ہیں، بھی وضو کر لی جو۔

ہے، بھی نماز سکھائی جا رہی ہے۔ پتا نہیں تھا۔

یہاں سے آزاد ہو پاؤں گا۔ اگر تمہارا ساتھ نہ ہے۔

نندی! تو میں اب تک خوشی کر چکا ہوتا۔“ اس۔

مشیاں بھیجیں۔ نندی سوائے اس کے پہلے سے۔

ایک خاموش دلسا رائے کے اور کچھ نہ کر سکی۔



مختار کے پھوپھا، سید عبد اللہ شاہ کے گھر میں۔

ابھیجیت کی مجبوری تھی۔ بہبی کے ہائپٹل۔

اسے چھٹی نہیں مل رہی تھی اور مالک مکان نہ۔

مسلمان سمیت گھر سے نکال دیا تھا، چاروں چاروں۔

استغفار دے کر حیدر آباد آئا پڑا۔ وہ ان مسلمانوں۔

گرفت میں بڑی طرح پھنس پکا تھا۔ اس کی بُش۔

”مگر میری خودداری مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہی۔ آپ کی محبت اور مہربانی اپنی جگہ“ میں آپ کے جذبات کا احترام کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں نورین کو یہاں سے لے جانا چاہتا ہوں۔“ وہ بصفد تھا۔ ”میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتا۔ بہتر تو یہی ہے کہ تم میں حیدر آباد میں میری نظریوں کے آس پاس ایسی یوں کے ساتھ رہو۔ تمہاری رہائش اور ملازمت کا بندوبست دنوں میں نہیں گھنٹوں میں بوجائے گا لیکن اگر کسی اور شرمنیں سیئل ہونا چاہتے ہو تو میں یہ بھی کروں گا، ہاں اس میں کچھ وقت لگے گا۔“

ایک بار پھر وہ صبر کے ساتھ ان تکلیف و شب و روز کو جھلنے پر مجبور تھا، اب اس میں انتظار کی انتت بھی شامل تھی۔ ایسے میں اس نے ایک ایسی خبر سنی جو پچھلے کئی ماہ میں پہلی خوشی کی خبر تھی۔

”مندنی مال بننے والی تھی۔“

آنے والا پچھہ یقیناً اتنا خوش بخت تھا کہ اس کے آنے کی صرف خبر ہی ابھیجیت کے لیے بھی ثابت ہوئی۔

”پوتا کے سرکاری ہسپتال میں تسلیم ہیے مجھے نکال دیتی ہے۔ وہاں کے فنڈرے خود جان کے منڈپ اکابرست فی الحال کی لیڈی ڈاکٹر کی سیٹ مناشنکل ہے۔ یوں بھی بیٹا کو ابھی آرام کی ضرورت سے اسے یہیں رہنے دو۔ چونکہ تمہاری ملازمت ٹھنڈی بنیادولی پر حاصل کی ہے، اس لیے سرکاری رہائش گاہ ملنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ تک تک میں ہاٹل میں رہنا پڑے گا۔ ایسے میں یوں کو اس حالت میں کہاں لیے پھر گے اسے کسی بجرہ کا رعورت کی گمراہی کی خت ضرورت ہے۔“

”طوعاً“ کہا۔ ”اے مندنی کو ان کے حوالے کرنا پڑا۔ وہ بلک بلک کر رہو۔

”بھی! مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ یہ سب کچھ بت الگ ہے۔“ بت زیادہ الگ، مجھے لگتا ہے میں کسی اور سناری میں آگئی ہوں سیے مجھے پتا نہیں کیا بنا چاہتے ہیں۔“

تمی کہ جلد از جلد یہاں سے مندنی کو لے کے چلا جائے۔ جہاں نہ مختار ہونے اس کا مولا نا باب نہ سید چھوٹھا اور نہ اس کے مولوی میٹے وہ اپنی مرضی سے اپنی زندگی چھے۔ حالات بھی پسلے کی نسبت سبھل چکے تھے لیکن اس کے باوجود وہ روبارہ بسمی جانے کا خطروہ مول نہ لے سکتا تھا۔ سدھار تھے بڑی طرح اس کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے اس کی جوان بس بیاہتا ہونے کے باوجود ایک یوہ کی زندگی گزار رہی تھی۔ اس نے کسی ایسی جگہ سیئل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا جہاں اس کا کوئی واقف کارہے ہو، اس کے لیے اسے ایک بار پھر سید عبداللہ شاہ سے مدد طلب کرنا پڑی۔

”تو حیدر آباد میں کیا براہی ہے؟ یہاں تمہیں کس سے خطرہ ہے؟“

”سب سے براخطرہ تو تم خود ہو۔“ اس کے سوال کا جواب وہ دل، ہی دل میں دے کے رہ گیا۔

”سیراہل نہیں لگ رہا یہاں۔“ اس سے زیادہ بودا بناہ اسے نہ مل تھا۔ شاہ صاحب بروباری سے نکرانی۔

”مل لگانا پڑتا ہے میاں! دنیا داری میں نہ لگے تو تیمت جانو اور اللہ سے لول گالو۔ وہ دل کو سکون بخشنے والا ہے۔“

”بھی آپ درست کتے ہیں گمراہیاں رہتا ہے تو دنیا کے طریقوں کے مطابق چلنا پڑتا ہے۔ میں کب تک تپ بھے بوجھ بیمار ہوں گا۔ میں مندس نورین کے ساتھ پڑا۔“

”بہت انسوس ہوا بیٹایے جان کے کہ تم اس گمراہ کو اپنا ہاتھ میں بھینٹے اور واللہ! تم ہم پر بوجھ نہیں ہو۔ برا ایمان سے کہ میرے اعمال میں کسی نیکی کا اضافہ نہ کرنے کے لیے اللہ نے تمہیں میرے گمراہیا۔“

”ہاں تم نیکیاں کماو اور میرے پاپ بھاتے جاؤ۔ بنھے تو زکہ میں بھی جگہ نہ ملے گی اگر کچھ اور وہ سنارے گمراہ ہمہ رکھا۔“ وہ اندر رہی اندر چھپ و تاپ کھارہا قدم۔

”میں بھی تمہیں ان مولویوں کے نرغے میں نہیں
چھوڑنا چاہتا، لیکن جو بھی ہے نندی! تم یہاں محفوظ تو
ہو۔ وہ نیا شر ہے اور ابھی بھی پتا نہیں وہاں میرے
ساتھ کسے حالات پیش آئیں۔ اور تمہاری حالت بھی
تو تھیک نہیں۔ یہ ہمارا بچہ ہے اور ہمارے پیار کی نشانی
بھی۔ میں اسے خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ وہاں
جاتے ہی میں کرانے کا گھر ڈھونڈنے کی کوشش کروں
غمًا، سرکاری مکان ملنے کے انتظار میں سے برباد نہیں
کروں گا اور رہا تمہارا دوسرا مسئلہ تو ایسا کرو، اپنی
طبیعت خراب ہونے کا بہانا کر کے کمرہ بند کر کے بھی
رہا کرو۔“

اسے بہت سی تسلیاں دے کے اور وعدے کر کے
وہ پوچھ کے لیے روانہ ہو گیا۔

سرکاری ہاسپٹ کی نوکری میں ایک خالی خلوی ایکمیں
بیالیں کی ڈگری والے ڈاکٹر کیا تشوہ ہو سکتی تھی۔
ایں کی اسپیشلائزیشن کی تیاری دھری کی دھری رہ گئی
تھی۔ بھبھی میں تو اسے ناگ پورے اوم شیو مہاریوں
کی جانب پے ہر مہینے بھاری رقم موصول ہوتی تھی۔
یہی وجہ تھی کہ وہ سکون سے اپنی پڑھائی میں مصروف
تھا لیکن پوچھا آکے اسے آئے وال کا بھاؤ معلوم ہوا۔
نئے گھر میں نئی زندگی گزارنے کے لیے اسے معقول
رقم کی ضرورت تھی، بہت سا ضروری سامان خریدنے
کے لیے اور نندی کو بھی وہ اس بہنگاہی شادی پے کچھ نہ
لے کے دیے سکا تھا۔ اس کی دوسری سی گمراہی کی تو
پہلی شادی تھی۔ اس کے بھی زیور گھنول کے کچھ
ارمن ہوں گے یہ سوچ کے ایجادیت نے فی الحال
کرانے پے مکان لے کے اپنی تشوہ ضائع کرنے کا ارادہ
ملتوی کر دیا۔ گورنمنٹ کی جانب سے ملنے والا کوارٹر
یا پنج ماہ بعد خالی ہونے والا تھا۔ تب تک سوائے انتظار
کے دوسرا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے نندی کو بھی صبر کے
ساتھ مزید پانچ مہینے وہاں گزار لینے کی اتجاعی لیکن وہ
وہاں کن حالات میں رہ رہی تھی اس کا اندازہ اسے تب
ہوا، جب وہ دو مہینے بعد چند دنوں کی چھٹی لے کے
حیدر آباد پہنچا۔

نندی بے حد کمزور اور زرد رو ہو رہی تھی۔
وجہ شاید اس کی ذہنی حالت ہو۔ ورنہ اس کی
صحبت اور خوراک کا خیال رکھنے والے بتتے
لوگ اس گھر میں موجود تھے اسی صبح بھی یہ بتتے
میں رکھے تھے پہ پھوپھی جی بیٹھی بلند آیا۔
مریم اور سورۃ یوسف کی تلاوت کر رہی تھی۔
کے برابر مجبور سے انداز میں بیٹھی نندی بندھی۔
کی بھروسہ اور مسلسل کو شیشیں کر رہی تھی۔

”نندی نورین۔“ عادتاً اس کا ہم پڑھتے
پکارتے اسے نورین کہہ کے آواز دی۔ یہ جو
طلب نگاہوں سے پھوپھی جی کو دیکھنے کی جذبہ
تلاوت کے دوران ہی آنکھ کے اشارے سے
انہنے کی اجازت دی۔ وہ گویا شکر ادا کرتی بیا۔
بھاگ۔

”تم وہاں کیا کر رہی تھیں؟“ ایجادیت۔
نگواری سے پوچھا۔

”دیکھنے نہیں رہے تھے، وہ مجھے اپنے قرآن بیا۔
ساری تھیں۔“ اس نے اسی نگوارت سے جو۔
دیا۔

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا نندی جو۔
حالت میں یہ سب من رہی تھیں۔ تم سے میر۔
تماکہ اپنے کرے میں اکیلے وقت گزارا کر۔
سے بچنے کا سب سے اچھا طریقہ ہے اور تمہارے جو۔
میں تھیں گیتا اور رامائی پڑھنی چاہیے یہ۔
جانتیں، اس سے ہونے والے بچے پہ کتنا اچھے ہے۔“

”پچھو ایسے ہی خیالات ان پھوپھی جی۔
ہیں۔ اس لیے وہ مجھے یہ سب سناتی رہتی ہے۔
میرے ہونے والے بچے پہ ان باتوں کا اچھا اثر ہے۔
ایک اچھا اور سچا مسلمان بن کے پیدا ہو۔“ یہ جو۔
کہہ رہی تھی۔ ایجادیت اندر تک کاپ کے۔
نندی کی دلیوری میرا دو ماہ تھے۔ اس حالت میں
کاسفر کرنا مشکل تھا۔ دل پر پتھر کھ کر لوٹ آیا۔
ایک ماہ بعد اسے اپنے باپ کے مرنے کی خبر۔

اور اس کے کانوں میں لوری کی طرح گونج جائیجی۔
اس رات وہ بند کرے میں تڑپ تڑپ کتے تو
جتنا اپنے باپ کے مر نے پہ بھی نہ روایا تھا۔



اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔۔۔

پر تی دیلوں کے کانوں میں مختار الیاسی کی وجہ سے
ہوتی چلی گئی اور اذان کے وہ الغاظ کو بجھے پختے
اسے خوابوں میں اپنی جانب کھینچتے تھے
”ہا۔۔۔ اب میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ تب پہلے سے
رپے ہیں۔۔۔“ اس نے نہایت مدھم آواز میں سوچتی
کی تھی۔۔۔

ارباز الیاسی بھی دم سادھے اپنے ہنپا سے یہ سوچتی
روئے داں ربا تھا۔۔۔

”جیا آپ نے اپنے دوست کے حیدر آباد پاٹھے
پھر یوناٹیں ملازمت کرنے کے بعد ان سے کوئی رابعہ
نہیں کیا تھا۔۔۔“ یہ ارباز بکھری سولہ تھا۔۔۔
”کیا تھا۔۔۔ لیکن وہ خود بجھے سے کتنی کست را ربا تھا۔۔۔“
نے اس کے گریز کو اس کی زبانی پر ششن اور اب بھی
محمول کیا۔۔۔ دوسری طرف میری شادی ان سکی ذہنسیت
ہو جانے کی وجہ سے میں بھی نئی مصروفیات میں صد
تھا۔۔۔ البتہ بجھے اس کے حالات کا نظم بواہ رہتا تھا۔۔۔
وہ میرے ہی عزیزوں کے بال رہ رہا تھا۔۔۔ پس نے یہ
۔۔۔ یعنی نندلی کھنہ کے امداد سے بونے کی تھی۔۔۔
اس کا پونا جانا۔۔۔ بیٹی کی پیدائش اور اس کے خوبصورت
نندلی کا یہ قلن میں بتلا ہوا۔۔۔



اس نے ماں کو فون کر کے آئے کی اجازت طلب کی مگر
درباڑیوں نے صاف انکار کر دیا۔۔۔

”تمہاری پہاڑتے سے مجھے قسم دے گئے ہیں، مجھے
ان کی آخری اچھا پوری کرنی ہی پڑے گی، چاہے اس
کے لیے میرا بل تکڑے تکڑے تھیں کیوں نہ ہو جائے
میں تمہیں ان کے کریا کرم (آخری رسومات) میں بھی
شامل ہونے کی آمیاہ نہیں دے سکتی۔۔۔“ ماں کے دو
نوک جواب پر وہ بھر گیل۔۔۔

”مندلی! پتا جی کا دیسانت ہو گیا۔۔۔“ اس نے فون پر
اپنا غمہ پکا کرنا چاہا۔۔۔

”اور میں وہ بد نصیب ہوں جو ان کی ارتحی کو کندھا
بھی نہیں دے سکا اور یہ سب میرے اس جلد بازی
میں کے فیصلے کے کارن ہوا ہے۔۔۔ اب بس یہی انتظار
ہے کہ کس قسم فارغ ہو؟“ کس میں تمہیں لے کے اپنے
اس نے مگر میں آؤں۔۔۔ اگلے مینے فلیٹ کی چالی مل
جائے گی۔۔۔

”اور اگلے ہی مینے میری ڈیسوری ہے،“ تم آؤ گے
تھا؟ ورنہ میں خود کو بستا کیلا محسوس کروں گی۔۔۔“

اس نے وقت سے پہلے چھٹی لینے کی بست کوشش
کی مگر بے سود، عین پچھے کی پیدائش کے روز وہ
حیدر آباد پہنچا۔۔۔ مگر کے دروازے پر ہی شاہ صاحب کے
پوتوں، پوتیوں نے خوشی سے اچھتے ہوئے اسے خبر دی
کہ وہ ایک بیٹی کا باب بن گیا ہے۔۔۔

وہ بے تالی سے اندر پڑھا اور جیسے اس کے قدم پتھر
کے ہوئے رہ گئے۔۔۔ اس کی نومولوں پنجی سید عبد اللہ شاہ
کی گود میں تھی اور وہ اس کے کانوں میں اذان دے
رہے تھے۔۔۔

”مبادر ک ہو بیٹا! اللہ نے تمہارے گھر انی رحمت
بھیجی ہے۔۔۔ نبی کا سلام آیا ہے۔۔۔“ پھوپھی بھی اس سے
کہہ رہی تھیں مگر اسے نہ پچھہ سنائی دے رہا تھا نہ
دکھائی دے رہا تھا۔۔۔

اس کی ساعتوں اور بصارتوں پر فقط ایک ہی منظر
تھا۔۔۔

شاہ صاحب کی گود میں سماں اس کی پچھی۔۔۔

اس داقعہ کے بعد اب ابھیجیت کو مزمنہ برا۔۔۔
حال لکھنے لگا۔۔۔ فوراً ”دونوں کو یہاں سے لے جائے۔۔۔“
فیصلہ اس نے وہیں کھڑے کھڑے کر لیا تھا۔۔۔
قدرت کو پکھے اور منظور تھا۔۔۔ نندلی ریزکن میں تھا۔۔۔
ہو گئی۔۔۔ ایسی حالت میں اس کے لیے سفر کر رہا تھا۔۔۔
ٹابت ہو سکتا تھا۔۔۔ وہ خود دا کٹر تھا، اس بات سے سفر
اگاہ تھا کہ اگر وہ نندلی کو یہاں سے لے بھی جائے۔۔۔

خود علاج کرتا ہے تب بھی بچی کو سنبھالنے کے قابل
ہونے میں اسے بنتے بھی لگ سکتے ہیں اور میں نے بھی،

اس نے مجبوری کے عالم میں سب ایسے کندھے
گھونٹ کی طرح برواشت تو کر لیا سرخ بارف دوڑ دوڑ
نئے عزائم کے ساتھ۔ اپنی بیٹی کو فاطمہ بنت رحمنا اب اس
کے لیے انتہا درجے کا تکلیف دا مرقا۔



”چھا جان! یہ پریتی میرا مطلب ہے فاطمہ“
ارباز نے بچھے تمہکتے ہوئے پوچھنا چاہا۔
”کب۔ دراصل۔“

”میں بچھے گیا ہوں۔ تم کیا نصیحتاً چاہتے ہو؟“
مکرانے اور پھر دم بخود بیٹھی پریتی کی جانب دیکھا۔ اتنا
سب کچھ جان لینے کے بعد بھی اس کی خاموش
آنکھوں میں ان گفت سوال چل رہے تھے۔

”انتا تو تمہیں پتا چل گیا ہو گا کہ یہ سید عبداللہ شاہ،
میرے پھوٹھا، یعنی تمہارے دارا کے متعلق سے اور یہ
بھی کہ پریتی کو رو وہ پلانے والی میری پھوٹھی تھی کی جی بڑی
بہون زیدہ ہی تمہاری سر حومہ والدہ تھیں۔ اب یہ بھی
جان لوگہ پریتی سے حونہ مادھل ان کا جو بیٹا ہوا تھا اور
جسے انہوں نے اس کے ساتھ ہی انہا رو وہ پایا تھا،
کوئی اور نہیں، تم تھے ارباز المیاسی! اس لحاظ سے تم
پریتی دیوں۔ نہیں فاطمہ غلی کے رو وہ شریک بھائی
ہو۔“

”میرے؟“ وہ بے شقی سے اسے دیکھنے لگا۔ سر
چھکائے کم صم بیٹھی، زرور گفت اور دو خشت بھری
آنکھوں والی اس لڑکی کے لیے مل میں یکاکیں ہی دھیر
سارا پیارا اللہ آیا۔

اس نے آگے بڑھ کے اپنا کپکا تاہاتھ اس کے سر
پر رکھا۔ لیکن پریتی اس وقت ہر چیز سے بے نیاز تھی۔
”آپ نے یہ تو تاریا انکل کہ ابی محیت مہادیوں
اور مندلی کھنڈ نے محمد علی اور نورین بننے کا سفر کیے اور
کیوں طے کیا۔“ بہت وقت کے بعد وہ یہ کہنے کے
قابل ہوئی۔ ”لیکن آپ نے یہ نہیں بتایا کہ وہ محمد علی

خود علاج کرتا ہے تو بھی بچی کو سنبھالنے کے قابل
ہونے میں اسے بنتے بھی لگ سکتے ہیں اور میں نے بھی،
مرقان کے مریض کو یوں بھی دوسروں سے الگ تھنگ
رکھا جاتا ہے اور نوزائدہ بچے کے لیے تو بست زیادہ
پرہیز کی ضرورت ہے“ اچانک اسے کچھ خیال آیا۔

”میں بچی کے لیے رو وہ کے ذبیلے آتا ہوں۔
ماں کا رو وہ بچی کے لیے خطرناک ہے کیونکہ نورین
شدید حسر کے پر قان کی مریضہ ہے۔“
”ڈاکٹر ہمیں پہلے ہی متغیر کر چکی ہے اور میری بسو تو
ماشاء اللہ سے خود قابل ڈاکٹر ہی ہے“ اسے بھی سب پا
ہے۔ اس لیے ہم نے بچی کو ماں کا ذبیلے پایا تھا۔ اس کی
مال کا نہیں بلکہ میری بڑی بسو زیدہ نے اپنا ذبیلے پایا
ہے۔ اب وہ فاطمہ کی رضائی مل بے۔“
”فاطمہ رضائی مل؟“ یہ سب اس کے لیے
ناقابل فرم تھا۔

”ہاں میں نے اب تک بخت بچی کا نام فاطمہ رکھا
ہے۔“ شاہ صاحب سلراستے

”اور اب اس کا رشتہ ہمارے خاندان کے ساتھ اور
بھی گمراہو گیا ہے کیونکہ اس کے اندر بھی اس صلح،
تیک اور پرہیز کا رعایتہ خلوتوں کا رو وہ ہے، جس پر میری
تل پروان چڑھ رہی ہے۔“

اب وہ بالکل ہی ذہنے گیا۔ اس نے بازار سے
مختلف رو وہ کے ذبیلے لالا کے اور دنیلی دلائل دے
دے کے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی مگر خود بچی
نے ہی بازار کا رو وہ چینے سے انکار کر دیا۔ زردستی
پلانے پر وہ سخت بیکار ہو گئی۔

”زیدہ بیٹی! رو وہ پلاتے ہوئے درود شریف کا ورد
کیا کرو، طبیعت میں سیری ہوتی ہے بچے کی۔“ پھوپھی
بھی کی نصیحت اس کے کان سے ٹکرائی۔

”جی ای جان! ایسا ہی کر رہی ہوں، یہ ہدایت تو آپ
نے میرے تینوں بچوں کی دفعہ کی تھی اور میں نے پہلے
سے لے کے باندھ رکھی ہے۔“ زیدہ بھا بھی کی شلفتہ آواز
بھی سنائی دی۔

”اور ہاں، رو وہ پلانے سے پہلے وضو بھی کر لیا

اور نورین سے ابھی اور نہنا کیسے بنے؟"

"یعنی تو ساری بات ہے کہ وہ اس بننے بگڑنے کے عمل میں پچھے بھی نہ بن سکے" مختار الیاسی کے لمحے میں تأسف نمایاں تھا۔

"ہمیں یہ غلط فتنی تھی کہ ہم نے انہیں سیدھا رہستہ رکھ دیا ہے، حق بکری استے جبکہ حقیقتیتیہ تھی کہ انہوں نے "شارٹ کٹ" سمجھ کے اختیار کیا تھا۔

اب یہ ان کی قسمت کہ یہ راستہ ان کی توقع سے برسے کے طویل ہو رہا تھا۔ شاheed اللہ انہیں زیاد سے زیاد موقع دینا چاہ رہا تھا اپنی زندگی سنوارنے کے لئے مگر وہ اللہ کی دی اس سملت سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ ان کے نسب میں یہی بدایتہ نہ لکھی تھی سو حق سے محرومی ان کا مقابلہ نہ ستر۔ پوناچا کرا بیسیجیت نے نجات کیا کیا جتنا کر کے اپنا اور ننفلی کانیا پا سپورٹ بنوایا۔ اس کی ساری بیٹیوں تھیں اسی میں لگ گئی۔ اب اگر وہ کسی اور ملک کا ویران لکوا بھی لیتا تو جانے کے لیے نکت خریدنے تک کے بھی پیسے اس کے پاس نہ تھے۔ سو اس احسان فراموش کے شاطر دماغ نے ایک اور گمراہ کرن راستہ اسے سمجھایا۔ اس نے امریکن ایمیسی میں جا کے پناہ کی اور خواست دے دی۔ بقول اس کے،

میں نے یعنی اس کے ایک مسلمان راست مختار الیاسی نے اسے ورنلا کے جبرا مسلمان ہونے پر مجبور کیا۔ اور اب اس کی بیوی کو مجبوس رکھا ہوا ہے۔ اس کی بیوی اور بیکی کو اپنے پاس جبرا روک کے سید عبد اللہ شاہ اسے بیک میل ٹرور ہے ہیں کہ وہ خود کو مسلمان ظاہر کرے جبکہ وہ اپنے دین پر قائم رہنا چاہتا ہے لیکن اگر وہ اس نیں کامیاب ہو بھی جاتا ہے تب بھی اسے اور اس کی فیملی کی جان کو انتہا پسندوں سے خطرہ ہے۔ ہندو ایسیں مسلمان حان کر جبکہ مسلمان ہندو سمجھ کے جان سے مارنے کی کوشش کر سکتے ہیں لہذا اس کی فیملی سمیت امریکہ میں پناہ دی جائے۔ چند کارروائیوں کے بعد اس کی یہ اپیل منظور ہو گئی۔ عمر اس سارے عمل میں بحثے اور میرے خاندان کو تقابلی تلافی نقشان اٹھانا پڑا۔ مجھے ایک شریف شری

کو ہر سال کرنے اور میرے عالم دین پر ہیزگار باہر۔ ایک ہندو کو جبرا مسلمان کرنے کے جرم تھا۔ حرastت لیا گیا۔ اگر جو یہے جان مقدمہ جلدی تھا۔ ہو گیا مگر عزت پر لگے والغ اتنی جلدی نہیں تھی۔ اب اسی رسوائی کو بروادشت نہ کر سکے اور بارت یہ میں ترکھئے۔

پھر بھاجی کا سارا ایسا سی کیرر داؤ پر لگ گیا۔ نے چھپا یہ مار کے ان کے گھر سے اس غورت خور تھا۔ بر آمد کیا تھا جسے تحفظ اور آرام دینے کی خاطر فوٹھ رانہ پیش پیش تھا۔ وہ مردوں خود تو دفعان ہو گیا۔ ہمارے خاندان کو ایک چوت لگا گیا جو آج کے لئے دیتی ہے۔ بد نای اور رسوائی تو جو ہوئی سو بھئی۔ اب تک نہیں جاتا کہ جسے نو مسلم جان کے بوک نیت سے اپنے گھر رکھا، وہ نہ تو نو مسلم تھا، ہی غیر نہ سے بلکہ وہ تو مرتد تھا اور مرتد شرعاً "واجب القتل" ہوتا ہے۔ اسے جسے ہمیں قتل کر کے تواب کمانا چاہیے تھا، اس سر آنکھوں پر بھٹکا کے ہم گناہ نہیں تھے۔ رہنماء ڈھل بنا کے مذہب کو استعمال کرتا رہا۔ ان سب بکثردار میں ہوں، صرف میں میں میں راجرم ہے۔



"کون ہوں میں؟

"فاطمہ علی۔؟

"یا پریتی دیوں۔؟

اگر انسان کی بنیاد وہ شناخت ہوتی ہے جس سے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ یا جو پیدائش کے بعد اتر، حوالہ بنتی ہے تو پھر میں فاطمہ علی ہوں اور اگر شناخت ہوتی ہے جو والدین آپ کو عطا کرتے ہیں تو میں پرست دیوں ہوں۔ لیکن اگر والدین کی اپنی شناخت تھی مغلکوں ہوتا تو اولاد کو کیا دیں گے؟" وہ اپنے آپ سے سوال کر رہی تھی اگر یہ سوال جس کے جواب اس کے پاس نہ تھے کافی کا بھاپ اڑا تاکہ اس کے سامنے آیا تو اس۔ دنوں ہتھیلوں کی پشت سے اپنی دھنڈلائی ہوئی۔

آنکھیں ملیں۔ بھاٹ کے اس پارا باز پیچو توہہن کی کچھ بکھر کرتی آنکھیں تھیں۔ پرینا نے ان بولتی آنکھوں سے نظریں چڑایں۔ ”کیا سوچ رہی ہو؟“ جواب میں اس نے انہی میں سر ہلایا اور انہی کھڑی ہوئی۔

”مجھے اب چنانچا ہے۔“
”میں تمہیں جھوڑ آتا ہوں۔“
”میں اکملی ہی آئی تھی۔“

”تب تک میں یہ نہ جانتا تھا کہ تم میری ذمہ داری ہو۔ اب میں انی بن کو اس خراب موسم اور گمراہی رات میں اگلے کیے جانے والے سکتا ہوں۔“
اس کے بے حد جذباتی لمحے پریتی چپ کی چپ رہ گئی۔

”کہاں جی گئی تھیں تم بغیر بتائے؟“
مگر پسختی، اس نے ڈاکڑا بنتے اور نہنا کو اپنا منتظر ہما۔ نہنا بے تالی سے اس کے اندر آتے ہی پوچھ رہی تھی۔ ڈاکڑا بھٹے کے چڑے پر بھی شکر نمایاں تھا۔
”پریتی! کیا تمہیں یاد دلاتا رہے گا کہ تمہیں شام کے بعد بلا ضرورت مگر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔“ وہ تاراض ہو رہا تھا۔

”میرا جانا بہت ضروری تھا۔“ اس نے آج ہی سارا معاملہ صاف کرنے کا سوچا۔

”کل تک شاید بہت دری ہو جاتی۔ یا تو مقابر الیاسی نوجرسی چلے جاتے۔ یا پھر آپ ایک بار پھر ان سے فرار حاصل کرنے کے لیے ہم سب کو لے کے نیمار کسے نکل جاتے۔“

سکتی ہی ویری تک ڈاکڑا بھٹے سے نہ تو پلکیں جھپکی گئیں نہ، ایک لفظ تک بولا گیا۔ وہ نکر نکرا پنی بٹی کی سورت دیکھ رہا تھا، اس کی رنگت دم بدم زرد پریتی جا رہی تھی۔ ڈاکڑا نہنا یعنی مندلی نے لڑکھڑا کے قریبی صوفے کا سارا لیا۔



”یہ آپ کا کامیکس تھا یا! جو آپ دھرم کو ہر

وقت سر سیروتھے تھے: نگت تو جو ہے کو ہریں بھگوں کی سورتے نے بخشنے پر مجید رہ رہا تھا۔ آپ نہ بھگوان کے بننے والے خدا کے آپ نے اپنے دھرم کو بھی استعمال کی چیز بنا لیا اور اپنے دوست کے دھرم سے بھی فائدہ اٹھانا چاہا۔“ وہ ان دونوں کی کسی قسم کیوضاحت سننے پر تیار نہ تھی۔

”تم کہنا کیا چاہتی ہو کہ میری پوچاپا۔“ یہ سب دھکو سلہ ہے۔ میرا احساس جرم ہے؟“ ابھیجیت نکل ساختا۔

”میں اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں۔“ اس نے آنسو صاف کے، اور یہ کام نہ چھپتے آدھے ختنے سر دس بارہ مرتبہ کر چکی تھی۔

”میں یہ کہنا چاہتی ہوں یا! کہ میرے اندر بھی ایک مورت ہے، ایک آئندیل۔“ ایک بھگوان میں نے بھی تراش رکھا تھا اور وہ آج ٹوٹ کے کرچی کر چی ہے۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں یا! کہ مجھے اپنے اس بپ کے روپ میں جو میرے لیے ایک مشا بپ، مشا شوہر اور مثلی انسان تھا، آج اسی باب کے روپ میں ایک خود غرض باب، بے رحم شوہر اور ملجمی دوست پر آ رہا ہے۔“

”پریتی! یہ تم سارے پا ہیں۔“ مندلی نے سرزنش کی۔

”مگر یہ ایک انسان بھی ہیں اور ایک انسان کو انسانیت کی سیکھ سے اتنا بھی نہیں گرنا چاہیے۔“ مجت واقعی اک نظم جذبہ سے میں مان لیں ہوں انہیں آپ سے بت مجت ہو گی۔ لیکن مجت کیا فرائض سے بڑھ کے ہوتی ہے؟ ایک عورت کی مجت اور اس کی طلب ان پر اتنی حاوی ہو گئی کہ وہ یہ بھول گئے کہ ایک بے قصور عورت کے پتی اور دو معصوم بھوول کے پتا بھی ہیں۔ اتنے سالوں سے یہاں منہ چھپا کے بخشنے ہوئے۔ اپنے سکھی پریوار کے درمیان انہیں ایسے بار بھی یہ خیال نہ آیا کہ ان کا اپنا خون، گنے ہے۔ بیٹھنے رام دیو اور شام دیو کس حل میں بہت — مکمل، امل اور نکمل کے! ایسا نہ تھے ہو۔۔۔ قبر۔۔۔

ہوئی کہ ان دنوں کو بھی باپ کی محبت اور شفقت کی ضرورت ہوگی؟"

"میں مجبور تھا۔ میں بہک گیا تھا پریتی! اور اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ وہ مختار جس نے تمہارے من میں زہر بھرا ہے۔ اس نے مجھے چکنی چپڑی باتوں میں پھسلایا تھا، اسی نے میری مجبوری سے فائدہ اٹھا کے میرے ذہن کو اس طرف۔"

"آپ دوڑھ پیتے بچے تو نہ تھے۔" اس نے افسوس سے سر لالا یا۔

"آپ نے دوستی کے نام پر ان سے بھی کھیل کھیلا۔ وہ آپ کے حسن تھے اور آپ نے غلط بیالی سے کام لے کر انہیں مشکل میں ڈالا۔ اور تو اور ان کے دعڑز رشتے دار جو آڑے وقت میں آپ کے کام آئے، آپ نے احسان فراموشی کرتے ہوئے ان پر، ہی الزام رکھا دالا۔ اپنے محسنوں کی پیٹھی میں چھرا مکھونپناہ تو کی بھی دھرم میں نہیں سکھایا جاتا۔"

"شش آپ پریتی۔" اب ابیحیت کے صبر کا پیانا لبرز ہو گیا اور وہ پھٹ پڑا۔

"میں کب سے تمہاری بکواس سن رہا ہوں اور براشت بھی کر رہا ہوں۔ اس مٹلے نے تمہارے اندر زہری زہر بھر دیا ہے۔ میں اسی لیے تمہارا ان لوگوں کے ساتھ میں جول پسند نہیں کرتا تھا۔ میرے پتا گی بھی مجھے ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ تعلق رکھنے سے منع کرتے رہے۔ لیکن میں نے ان کی بات نہ مانی۔ مختار سے دوستی نے مجھے یہ دل دکھایا کہ میں کسی قابل نہ رہا، آج میری اپنی اولاد میرے منہ لگ رہی سے، مجھے برا بھلا کہ رہی ہے۔ صرف میری اس ایک غلطی کی وجہ سے۔ یہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چکنی چپڑی باش کر کے، بلا پھسلا کے کسی بھی طرح انسان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ ان کے دھرم میں آجائے مجھے بھی دوسری شادی کا لالج روایا گیا۔ سب سے پُر کشش ہتمیار کی ہے۔ تو ہے ان کیاں۔"

"بس تجھے پیا! آپ ان کے خلاف بول رہے ہیں جن لوگوں نے آپ کا مشکل وقت میں ساتھ دیا۔ آپ

اس دھرم کی برا بیان بیان کر رہے ہیں، جس دے۔

آپ کو پناہ دی، ورنہ آپ کے اپنے دھرم نہ۔
زندگی میں اجھنوں کے سوا اور کیا دے رکھ دے
اونچھی، ذات پاٹ۔ بحمد خدا۔"

"تم ایک براہمن کی بیٹی ہو اور بندو دعڑے
رہی ہو۔" وہ شدت غم و غصہ سے کیکاٹے نکلے
"مجھے نہیں لگتا کہ میں کسی براہمن کی بادی سے
دبلک اٹھی۔"

"مجھے یہ بھی نہیں لگتا کہ میں کسی مسلمان تھا۔
کی اولاد ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں لگتا یا۔
کچھ بھی۔" اس کی بیالی بیالی سکیل رفتہ رفتہ آہنے
پھر چھنوں میں بدل گئیں۔

"پریتی! سنبھالو خود کو۔" نندی نے آگے بیٹھے
اسے پانوں میں بتر لیا۔

"نہیں ہوں میں پریتی دیوں،" اگر میں تھے
ابیحیت مہاریوں کی بیٹی اور اگر ایسا ہے تو سید غیرہ
شاہ نے میرے بیان میں اذان کس حق سے دی تھے۔
اگر مجھے جنم دینے والی نندی کہنہ کھلی تو مجھے سے
زیدہ خلقوں نے دوڑھ کیوں پلایا؟" وہ چلا رہی تھی۔
اس کا مچلتا ترپتا وجود نندی کے ہاتھوں میں بے چیزوں
رہا تھا۔

"میں تو قاطھے علی بھی نہیں ہوں۔ اگر میں پتھر
علی ہوں، محمد علی اور نوریں علی کی بیٹی۔ تو میرا ہے۔
سالوں سے ہر روز صبح رامگی مورتی کے آگے ماتھا کر کے
تیکتی ہوں؟"



"یہ تمہارا بر تھہ مرثی نگیش۔"

ارباز نے اس کے آگے ایک پیپر کھا۔

"انکل نے انڈیا سے منگوایا ہے۔"

"قاطھے علی ولد محمد علی۔" اس نے زیر لب اپنے
دہرایا جو اس کا نندپ لکھا تھا۔

"یہ کیا ہے؟۔ کل کے پیپر کے لیے بولی ہے۔
نہیں ہو رہی؟" منصف باقی دوستوں کے ساتھ دے

ہی چلا آیا۔

”بائی دی وے“ کیا پریتی جانتی ہے کہ — بولی
ایک پھر سیلی ہوتی کیا ہے؟ ”یہ نہ کہا۔

”تم بتاو، تمیں تو پتہ ہی ہو گا“ وہاں پاکستان میں
میزک انترا اور پھر ماشرا ایسے ہی تو نہیں لکلیس کر لیا ہو
گا انہی بیویوں کا کرم ہو گا۔“

”جہاں تک میری نانجھے ہے بولی غالباً“ جڑی بیویوں
ٹائپ کا کوئی لفظ ہے۔ لیکن اس کا اسٹریڈیز سے کیا اتفاق
ہے؟ کیا یہ کوئی ایسی بولی ہے جسے کھا کر دماغ زیاد تیز بوجا
جا شاید؟ ریچا نے اپنی معلومات چھاریں۔

”مگر ایسی کوئی بولی بتوتی تو میں تمیں ضرور۔“
منصف کرتے کرتے نہ کھٹکتا تھا، اس کی اچھتی کیا نظر۔
نیبل پر رکھے اس بر تھہ سرٹیفیکیٹ پر رہی تھی۔ نہ تو
اس بر تھہ سرٹیفیکیٹ کا یہاں ہونا اچھتے کی بات تھی۔
نہ اس پر لکھا نام اسے چونکا نے کا باعث بنا تھا، اسے تو
پریتی کا انداز غیر معمولی لگ رہا تھا۔ وہ چار روز کے بعد
پیوری بھری ہی لگ رہی تھی۔ کم صم انداز۔
شکست لجھے اور تھکی ہوئی آنکھیں۔ اور اس وقت تو
اس کی حالت صبح سے زیادہ خراب رہی تھی۔

”کیا ہوا پریتی؟ ارباڑا! یہ کس کا بر تھہ سرٹیفیکیٹ
ہے؟“ وہ پوچھنے بغیر نہ رہنے سکا۔

”فاطمہ علی کا۔“

”میرا۔“

پلا جواب ارباڑ نے اور دوسرا ایک سینڈ کے
توقف کے بعد پریتی نے دیا تھا۔ منصف، ریچا اور نیلم
اپنے ہوئے سے نظر آئے ارباڑ نے ایک نظر بھر کے
پریتی کی جانب لے کھا۔ اس کے ایک لفظ کے جواب
سے اسے انداز ہوا کہ وہ اس بات کو راز رکھنے کی
خواہش مند ہرگز نہیں تھی، اس لیے اس نے بتانا
شروع کیا۔

”یہ فاطمہ علی، میری بیوی کا بر تھہ سرٹیفیکیٹ
ہے۔“

”تو یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟“ یہ نیلم کا ہونق پن سے

پوچھا گیا سوال تھا جبکہ منصف کی نظر میں
پریتی کے بڑھاں سراپے اور دعینے اور
جو اس سے نہ سراہوا تھا۔

”لیکن پریتی تو کہہ رہی تھی کہ یہ اُر رہے۔“
”بیوی پریتی ہی میری بیوی فاتحہ خود سے
نے محشر اس سارا قصہ سنایا۔“

”میرنگٹ“ یہ نیلم سرور کا تسمیہ تھا۔
فتاشک بھی یعنی اب پریتی۔ جتنی کہ وہ سر
اپنی ہے۔“

اُس پر ریچا نے اسے عجیب سی نظریں سے سزا
وہ خیف کی بوقت۔

”میں کہنے کی اپنی بیوی اور کس کے لیے ہے۔“
میں خود بھی نہیں جانتا۔“ پریتی کے کہنے پر منصف
اپنے خیالوں سے چوتھا۔

”یہ جاننے سے پسے تمیں یہ جانتا چاہیے کہ نہ
کون ہو؟۔۔۔ تم نہ احمد شریعت ہو۔“

”لیکن میں۔۔۔ وہ پتو کہتا چاہتی تھی کہ۔۔۔“
ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

”شاپید مجھے تمہیں یہ نہیں بتانا چاہیے بلکہ مجھے
کیا، کسی کو بھی نہیں۔ یہ تمہاری اپنی پیچوں سے
اے تمہیں بھی تلاش کرنا ہے۔ میرا مشورہ سرفراز
ہے کہ اس پہچان کو کسی سارے کے بغیر تلاش کرنے
تو زیادہ کامیاب رہو گی، ورنہ شاید تمہارے میں سے
کٹک رہے کہ تمہیں جو پہچان ملی، وہ تمہارے
کھونج نہیں بلکہ کسی کی عطا کردہ ہے، میرا مستحب
سمجھ گئی ہو گی۔“

”شاپید تم کیہ کہنا چاہ رہے ہو کہ مجھے اپنے ہے۔۔۔
سے الگ ہو کے اپنی شاختہ بتانا چاہیے۔“

”ہاں، اگر تم اسے مناسب سمجھوئیں جائیں ہو۔۔۔
یہ مشکل ضرور ہے۔ چلو کم از کم تم اتنا توکر سکتے ہو۔۔۔
ان کی دوی ہوئی شاختہ پر اکتفا کرنے کے بجائے۔۔۔
”بات بالکل صاف ہے۔“ ارباڑ نے بے صبر
سے بات کلائی۔

”یہ فاطمہ ہے۔۔۔ یہ فاطمہ بن کے پیدا ہوئی تھی۔“

اگرچہ اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون میرے تھے
بنتے خون سے الگ ہے مگر ہمارے اندر آئتے تھے تو
روودھ کی مشاہد ہے اور وہ روودھ ایک مومن ملک کے سے
یہ کسی اپنے یا ابیجیت اور نندی یا نینا کی نہیں بلکہ
محمد علی اور نورین علی کی بیٹی بن کے پیدا ہوئی تھی اور
یہ اس کی پچان ہے ” وجہ باتی ہو رہا تھا۔

” نہیں ” میں تمہارے فتوے پر ایمان کیے لے
آؤں ” وہ ایک جھنکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

” منصف ٹھک کرتا ہے۔ کسی کی عطا کرو شاخت
یا دیا ہو انہم مجھے تسلی نہیں دے سکتا۔ مجھے اپنی پچھوں
خود تلاشی ہے مجھے حاننا ہے کہ پریتی دیون بونے
میں میری نجات سے یا فاطمہ علی بننے میں۔ ”

” اس کے ذہن کو مت الجھاؤ ارباز اے اپنارستہ
خود غائب کرنے دو۔ ” اس کے جانے کے بعد منصف
نے سمجھانا چاہا۔

” میں اسے اس کے حل پر کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔
وہ میری بسن ہے منصف میری بسن۔ اسے رستہ
دکھانا میرا فرض سے وہ گراہ ہو سکتی ہے۔ ”
” نہیں ” اسے گراہ ہونا ہوتا اب تک جس تاریکی
میں رہ رہی تھی وہ تاریکی اسے نگل چکلی ہوتی وہ خود کو
بغیر جھمکے پریتی دیون بتائی۔ لیکن وہ ایسا نہیں کر
رہی۔ اگر وہ خود کو فاطمہ علی تسلیم نہیں کر رہی تو پریتی
ماننے سے بھی انکاری ہے۔ اسی کا تذبذب ظاہر گرتا
ہے کہ وہ دوارے پر کھڑی ہے، یقین رکھو، وہ خاطراتے
کا انتخاب نہیں کر رہے گی۔ ”

” اللہ کرے تمہارا اندازہ درست ہو۔ ”

” یہ میرا اندازو نہیں ارباز میرا ایمان ہے۔ ” اسے
اسی رستے پر آتا ہے بلا خبر کہ اسی رستے پر میں اس
کا منتظر ہوں۔ ” اس کے مل نے پورے یقین سے کما
تھا۔



” تم یہ گھر چھوڑ کے حارہی ہو؟ ہمیں چھوڑنا چاہتی
ہو؟ ” نندی دکھے کراہ اٹھی۔

” ہے ڈیپر چھوڑ نہیں دیں یہ سف نہ
عمرتے ہے پے پے شور ہوئے پہنچنے سے
کیونکہ اب تک میں یہ فیصلہ نہ کر پہنچ کر۔ میرا تپ
کے ساتھ رہنا درست ہے یا نہیں۔ ”

” اور یہ وہم کس نے بھرا تمہارے اندر اسی ختار
الیاسی نے؟ ” بیجیت نے پہنچا کرتے ہوئے پوچھا۔
” ہاں ” اس نے بغیر جھمکے تسلیم کیا۔ ” وہ کتنے
ہیں کہ میں مسلم ہوں پیدائشی مسلم۔ میرا بندہ
گھرانے میں رہنا جائز نہیں۔ ”

” ہم نے کہا اور تم نہ میں لیا؟ ”
” ہے نہیں۔ لیکن پوری طرف بستا بھی نہیں پا
رہی۔ ” وہ بھی ہوئی خوشی تھی۔

” میں نے جو شکر دینے ہوں اس میں سراسر
میری غرض شامل تھیں تو نہیں۔ میرا کھانا گھر تم کس
مجبوری کے تحت مراہ دوئی ہو۔ سک پریتی! میں
جانے بوجنتے تسلیم ہو۔ ”

” ترک اٹھا۔ ”

” اور وہ کیا تھا جو ہے؟ ” بیجیت نے قہچہ

اس نے اچھیست۔ ” تھا۔ ” ” ہمیں ہل کے

سوال کیا تو نہ شہید ہے۔ ”

” میں نے بے شکر کے برکوںے میں آگر
اسزاد قبیل یہ منیر سے نہیں۔ میں اب بھی اپنے

دھرم پر چھوٹ سے قائم ہوں۔ ”

” یہی تو پاپ ہے، جیسے آپ کبھی نہیں رہے۔ ”

رشتوں، دوستی اور محبت کے نام پر خود غرضی کا مظاہرہ
کرنا کوئی بھی دھرم نہیں سکھاتا۔ کسی کتاب میں بھی

ذمہ داریوں سے منہ موڑنا نہیں سکھایا گیا۔ آپ کو یہ تو

یاد رہا کہ آپ نے اپنے بھگوان کے بجائے چند دن کی

اور کی پوچا کی، جا ہے اور کی ابل سے ہی سی دکھاوے

کے لیے ہی سی۔ ” لیکن کی اور یہ احساس جرم اتنے

سال بعد بھی آپ پر حادی رہا لیکن پیا! آپ کو اپنے

دوسرے پاپ یاد نہیں؟ آپ نے ان میں سالم تر

ان کو دھونے کے لیے کیوں نہیں کچھ کیا؟ اپنی خوبی

غرضی میں آپ ان دو معصوم بچوں کو بھول کے چکنے

عیرکے اس دور میں سب سے زیادہ ضرورت ایک پتا کی تھی۔ آپ نے پلٹ کریہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ آپ کی بوڑھی بیوہ مل اب تک زندہ تیئھی آپ کی راہ تک رہی ہے یا اس کا انتظار تھک کے ہیشہ کے لیے سوچ کا بے کیا اسے آپ سیاپ نہیں سمجھتے؟“
وہ انسان جس نے دوستی کے جذبے کے تحت اور آپ کی محبت کو آپ سے ملانے کی خاطر آپ کو ایک راہ دکھائی۔ اس نے اس دوستی کے بدلتے آپ سے بے عزتی بیاں۔ اس کا باب اس الزام کو لے کے گزر گیا اور آپ آپ اب بھی کتنے آرام سے یہاں اپنے پریوار میں راضی خوشی بیٹھے اپنی نسی اس پر تھوپ رہے ہیں۔ ہمیں جس نے ایک سال تک آپ کو اپنے حسرت پر ہعنہ ہس کی محبت اور خلوص کا کیا صدھ جاتے، نہ رہتے مسلمان لیکن، لیکن اپنے بے قصور محسنوں کے ساتھ اپنا انسانیت سے کراہوا سلوک تو نہ کرتے کہ آئندہ کوئی کسی پر احسان کرنے سے پہلے سوار سوچے۔

”اس کے سوا میرے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا۔ مجھے وہاں سے نکلا تھا، نہ صرف اس گھر سے بلکہ اس دلش سے۔“ اس انداز میں پیشہ اور نمائت کی کوئی راست نہ تھی۔ پریتی نے تاسف سے اپنے باب کو دیکھا۔

”ایشور سے خبتوں کو نرم کر دیتی ہے یا! اس کے قریب ہونے کا مطلب ہے، برائی سے دور ہونا۔ اگر آپ کو اپنے بھگوان سے بچ جمع محبت ہوتی، اگر آپ کے دل میں واقعی اس کا خوف ہوتا تو آپ اس کو ناراغ کرنے کا نہ سوتے۔ آپ اس کے اتنے سارے بندوں کا دل نہ دھکاتے۔ یہ کیا دھرم ہے پیا! یہ کسی پوچھائے آپ کی کہ اس پتھر کی سورتی کا تو آپ اتنا دھیان رکھتے ہیں اور کافی جیسے دل توڑ دیتے ہیں۔“ اس کے بھرائے لمجھ پر ایمجھیت کا سر اور نظر پر، دونوں جھنگ تھیں۔

”کیا تم ہمیں معاف نہیں کر سکتیں؟“ مندنی نے

برہنہ کراہے تھا منا چالا مگر وہ قدم بچھے بٹ گئی۔ ”اگر سکتی ہوں ما! اگر گوئی پنڈت آپ کو مدد دے، اور اگر رام دیو اور شام دیو یا ایسا کو معاف کرنے۔“
وہ سارے سال جوانوں نے یہاں کے بھوٹے ہے۔ اما تھ (تیئم) بن کے گزارے۔ اگر انکل مختار آپ دونوں کو معاف کر دیں وہ غم جو روستی کا بھرم نہیں۔
انوں نے جھیلایا۔ اور ارباڑ کی فیملی آپ کو معاف دے دوڑت جوانوں نے آپ سے بھلانی کرنے۔
صلے میں پائی۔ اگر یہ سب آپ کو معاف کر دیں تو شمیہ میراں آپ کے ساتھ رہنے پر راضی ہو جائے۔
بکیتے یا! بیا آپ انڈیا جانے کے لیے تیار ہیں؟“
”نمیں۔“ ایمجھیت کا جھکا ہوا سر مزد جھک گیا۔ ”وہاں جانے کا مطلب ہو گا سب کو جھوڑنا“ نہیں کو، تمہیں نکھلیں، مکلن اور اتل کو۔ مجھے میں لب اتنا حوصلہ نہیں ہے۔ تم سب میرا اللہ انگ بھوٹ جانتا ہوں، رام اور شام کی طرف بھی میری بستے زمہ داریاں ہیں لیکن یہ زمہ داریاں بھانے کے لیے میں تم سب سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ میں نے برسن میکلہ اشانہ بنا یا سے، میرا واپس ہندوستان لوٹنا یہ رہے اس گھر کو قس نہیں کر کے رکھا۔ رگا۔ تمہاری طرز وہ بھی مجھے کئی شرطوں کے بعد معاف کرنے پر تیرہ ہوں گے اور جانتی ہو، ان میں سب سے بڑی اور سب سے تکلیف وہ شرط کیا ہو گی؟۔۔۔ کہ میں اپنی اس دوسری شادی کو ختم کر دوں۔ میری مجبوری مجھے کو کوشش کر دیتا۔ میں میں ایسا نہیں کر سکتے کبھی بھی نہیں۔“

پریتی نے ایمجھیت کو ہیشہ ایک مضبوط باب پر روب میں دیکھا تھا، اس سے اپنی آنکھوں کے سامنے اس کا گزگزا تا اور بے بکی سے سک اٹھنا برا داشتہ ہوا۔ وہ پل میں پھولی گئی۔ اس نے صوف پر بڑھاں سے بیٹھا بکر کا لاند ہسپے ہاتھ رکھا۔

”کاش۔۔۔ کاش یا!۔۔۔ کاش آپ ملے ہوتے۔“ اچانک بالکل ہی بے ارادہ اس کے منہ یہ الفاظ نکلے۔ اس کا ہاتھ ایک بار پھر ایمجھیت۔

شانے سے ہٹ گیا۔ تذہل سے قدح رتے ہوئے
گرے نکل گئی۔



”ایسی وقت مجھے احساس ہوا کہ مجھے جو بات سب
سے زیادہ ناگوار گزرتی تھی اور جسے میں ایک ظالمانہ
غل جانتی تھی، اس میں بھی ایک مصلحت چھپی ہوئی
ہے“ وہ سارہ سے کہہ رہی تھی۔

”ہم ارباز سے — منصف اور نیک سے اکثر اسی
ایک معاملے پر الجھ جایا کرتے تھے میں کہ تمہارے
نہب نے مرد کو ایک سے زیاد شادیاں کرنے کی
اجازت دے کے عورت کے حقوق سلب کیے ہیں۔
نیکن کل پیاسے بات کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا

کہ یہ قانون تو حقوق کو تحفظ رہتا ہے نہ کہ انہیں ختم
کرتا ہے۔ کیا ہم چاروں بھن بھن اور یہاں کے پہلے
لڑنوں بنیے ایک جیسے حقوق نہیں رہتے؟ نیکن پیاسے
سب کے حقوق اکٹھے پورے کرنے سے تاصر ہے۔“

”تم کہنا کیا چاہتی ہو گے صرف اسی ہاکی مثل کی وجہ
سے تم مرد کی چار شادیوں کو جائز۔“

”نہیں۔“ اس نے بات کاٹ لی۔ ”تم میرا مخالف
نہیں بھیجیں میں صرف یہ کہہ رہی تھی کہ یہ تو صرف
ایک چھوٹی سی مثل ہے۔ جس طرح اسلام کے اس
جنون کے بارے میں اور بست سے لوگ غلط فہمی کا
ہنگامہ ہے۔ ہو سکتا ہے، ہمارے دوسراے شگوک و
شبہات بھی کھو کھلے ہوں۔ ہم نے کبھی انہیں جانے
وہ ان سے کسی قسم کی وضاحت حاصل کرنے کی
وُشش بھی تو نہیں کی۔ بس سنی سنائی یا تو لپپہ یہ فرض
ہر کے بیٹھے ہے کہ اسلام ایک انتہا پسند ہب ہے اور
تم مسلمان وہشت گرد، تشدد پسند، بنیاد پرست اور
نہ نظر ہوتے ہیں۔ حالانکہ میں اپنی زندگی میں اب
بے جتنے بھی مسلمانوں سے ملی ہوں وہ اس کے بالکل
نیک ہیں اور انکل مختار الیاسی سے جن کے بارے
بیکرنا ہے بھی مجھے کوئی افسوں کروار لکھتے ہیں۔
میں جاؤ، ایسے کیسے کوئی کسی انجان کو ہر خطرے کی

چپ نہیں ہے۔ اس بخوبی کہے جائے۔
سارے سخت آئٹیں ہوئے۔ اس بخوبی کہے جائے۔
”ہمیا فرق پڑتا ہے اس بات سے۔“ وہ سر خپڑے
اور اس پریتی ہوئے۔ یا تمہارے پیارے شش نے پوچھتے
کے لیے کسی اور فرمب کو اختیار رہے تو خود اُمر یہ بھی تو
تو ان کی مرضی، تمہیں کیا اغتر اُغزر سے بخوبی اُمر رہے
فاٹھے علی کملانا چاہتی ہو تو انہیں بھی اُغتر کرنے کا
کیا حق ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی زندگی چیتا ہے، کسی
دوسرے کو دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں۔“ اس
نے بات ہی ختم کر دی۔

”شاید میں غلط انسان سے مشورہ مانگنے چلی آئی۔“
اس نے گمراہی سانس لے کر اپنا بیک اٹھایا۔

”کم آن پریتی! تمہیں میرا مشورہ فضول لگ رہا ہے
تو جانے دو، مت لو میری رائے۔ لیکن یہاں سے جاؤ
تو متہ“ سارہ نے اسے روکنا چاہا۔

”جانتی ہو سارہ! میں تمہاری طرف، کیوں آئی
تھیں۔“ اس نے جاتے جاتے پلٹ کے بتانا چاہا۔

”میں چاہتی تھیں کہ یہاں جا رہا تھا کہیں بھی جا سکتی تھیں۔
لیکن نیم کے عرب میں اس لیے نہ ہوئی کہ وہ اس کی
فیملی یا کوئی مسلمان ہیں، بعقول تمہارے ساری دنیا کے
مسلمانوں میں سب سے خالص اسلامی ذہنیت والے
میں منصف کے کہنے کے عین مطابق اپنی آئندہ زندگی
کا فیصلہ صرف اور صرف اپنے دل کے مطابق کرنا
چاہتی ہوں جبکہ نیم کے گھر مجھے اکسلے اور اسلام کی
جانب زردوستی مائل کرنے والے بست سے لوگ
لتے۔ رہجا کے ہاں نہ جانے کی بھی یہی وجہ تھی۔“
میرے پیر مس کے دھرم کی ہے، اس کی ہمدردیاں ہن
کی طرف ہوئیں۔ شاید اس کی یا توں سے گھبرا کے میں
ایکبار پھر ان کی جانب لوٹ جاتی۔“

”تو تم چاہتی کیا ہو؟“
”میں چاہتی ہوں کہ میں جو بھی فیصلہ مبتدا ہے۔“

اپنا ہو، کسی کے دباؤ میں آگر کوئی قدم نہ اٹھاولیں ورنہ پاپا کی طرح اپنے اس الدام کا الزام دوسروں پر رکھ کے ساری عمر پچھتاتی رہوں گی۔ اسی لئے میں تمہاری طرف آئی تھی اسکے یکسوئی سے اپنی زندگی کے بارے میں کچھ فیصلے کر سکوں، میں تمہیں نیوٹل جانتی تھی۔

میرا خیال تھا، میں جو بھی بستے چڑوں گی۔ تم اس میں حائل نہیں ہو گی، اسے نظریات بجھ پر نہیں نہ کوشش نہیں کرو گی۔ لیکن میرا سے خیال تذلل تھا۔

مجھ پر اپنے نظریات کیا مسلط کروں گے سایہ! تم را تو بربے سے کوئی نظریہ نہیں۔ تم اس کی زندگی ہے اثرِ عزاداری ہے: ہو سکتے ہو، یہے کیا اپنے راستے پر چلا گئی ہے جب تک تم خوبی سے سمجھنی بتوی ہو۔ اب سے

خوبی سے خود اس دنیا کی سب سے بد قسم تر ہے۔ جس کے پاس نہ تو اس کی ذاتی تہذیت ہے۔ اصل نام۔ نہ زندگی کی کارنے کا کوئی دش نہ اور نہ ہی کوئی منزل لیکن اب احساس ہو رہا ہے۔

سب سے بد قسم تو تم ہو۔ میرے پاس کچھ نہیں۔ میرے پانے کا مقصد تو ہے، اپنی پیچان حاصل رہنے کی منزہ ہے، منزہ نہیں مگر اس کی تھوڑی جو تھے

اور میرے ایک دن یہ سب پا لوں گی۔ لیکن تم کہے۔

تمہارے پاس سب ہوتے ہوئے بھی کچھ یہ ہے۔ اپنی شاخت اپنے ہاتھوں گنوالی ہے۔

یہ منصف ہے اثرِ دوستیا ہے۔ اسے جاتے ہیں منصب سے سارے ذیوں کا زہر خند فقرہ سنائی دیا

جسے بڑے میں سچتا نہیں جاتی۔ اس نے

سچا۔

تمہارے بڑے میں سچتا نہیں جاتی۔

اس کے ہاتھ میری جانب

سب سے ایک آس لیے بڑھے ہوئے ہیں لیکن آج میں جس دو را بے پر کھڑی ہوں، دہانی میں نہ تو اس کا ہاتھ تھام سکتی؛ دل نہ ہی جھٹک سکتی ہوں۔ ہاتھ تھامنے کا مطلب ہو گا، قاطمہ علی بننا اور میں اگر فاطمہ علی بننا چاہوں گی تو صرف اپنے لیے، کسی منصف علی

تارڑ کا ہاتھ تھانے کے لئے نہیں جو نہیں۔

جھٹک دیتی ہوں تو۔”

اس نے اپنے مل پر ہاتھ رکھا۔ بیان۔

ایک بولنا کہ نہ چھا گیا تھا۔

تھے جس ساتھ تم سیسی آگزگی۔

ارباز نے اپنے فلیٹ کا دروازہ سمجھتے تو۔

سائنس دینکر انشا۔

تمہیں میں نہیں جانتی تھی کہ میرے۔

دیں لے آئیں گے جلد میں نہیں جو چھڑے۔

اپنے تھے ہوئے تھم کر چھیٹی اندر کی جمعتے جو۔

”وہ تمہارے بھائی بھرے فاطمہ۔

”پلیز مجھے فاطمہ مت کرو۔“

”میں تمہیں پریتی بھی نہیں کہ سکتے ہم۔“

جواب پر نہ زخمی نہ ہوں سے ہم کی طرف دیجے۔

حکمی۔

”یعنی تم مجھے یہ احساس دلاتے چاہتے ہو۔“ تو۔

نام، ہوں۔ اتنی زحمت مت کرو ارباز! یہ احساس تھے

پسلے سے ہے۔

”میں تمہیں بنا کوں گا،“ بے نام ہو۔

نہیں رکھتا، صرف بے حیثیت نہیں ہو۔

جب جب میں تمہیں بہنا کہ کے پکانے پڑے۔

اپنی حیثیت اور مقام کا احساس ہو۔

مقام جو میری زندگی میں تمہارا ہے۔“ اس۔

کے سر کو سسلا یا۔ اس کی ساری تکان اور انحرافی

یکدم دور ہونے لگا۔

”اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔“

وہ گمرا نیند میں تھی جب اس کا خوابیدہ دیتے۔

ناغ اس پکاریہ چونک اٹھا۔ اس نے آنکھیں جھو۔

کرے کی تاریکی میں وقت کا انداز دلگاہ اعتماد۔

سے اپنا سوبائیں اٹھا کے ٹائم رکھا۔ صبح تھے جمعہ۔

پتھے اور یہ آواز باہر لوگ روم سے آریں تھیں۔

پیکن کے باہر نکلی۔ لوگ روم میں بھی۔ تین قت
بھیں۔ مگر نہ ارباہ تھانہ انکل مختار البتہ نیپ ریکارڈر
سے ازان کی آواز گونج رہی تھی۔ بے ساختہ وہ گے
بڑھتی چلی گئی۔

یہ الفاظ اس کے لیے مانوس مگر زیان ناقابل فرم
تھی۔ وہ ان الفاظ کا مفہوم جانتا چاہتی تھی جو اسے اپنی
جانب مقنایس کی طرح کھینچتے تھے
”کیا سوچ رہی ہو بنا؟“ واش روم کے ارباہ تو لیے
سے باہم منہ خٹک کرتا کلاواتے کی کہی سوچ میں
گھپا کے سوال کیا۔
”یہ۔۔۔ یہ ازان؟“ اس نے نیپ ریکارڈ کی جنوب
اشارا کیا۔

”ہاں، یہ ازان۔“ اس نے قبلہ کی جانب جامع نماز
بچھائی۔

”ویسے تو یہاں گھٹری پہ وقت دیکھ کے نماز ادا کی
جاتی ہے لیکن مجھے صبح کی نماز میں مزاہی تب آتا ہے
جب ازان سنتے ہوئے وضو کیا جائے اس لیے میں
نے ازان کی آواز شیڈ کر کے رکھی ہوئی ہے۔ تم اگر
کافی بنا رہی ہو تو ایک گپ میرے لیے بھی بنانا۔ میں
نماز ادا کر کے پیتا ہوں۔“ اس نے اتنا کہنے کے بعد
نیت باندھ لی۔ پریتی نے نیپ ریکارڈ میں سے کیسٹ
نکالی اور مٹھی میں دبائے اپنے کرے میں چلی گئی۔
”کل ایک عجیب سی بات ہوئی منصف۔“ اگلے
دن وہ اسے بتا رہی تھی۔

”میں نے ارباہ کی ازان والی کیسٹ سنی اور ایک بار
نہیں بار بار سنی اور جانتے ہو ایسا میں نے جان بوجھ کر
نہیں کیا۔ میں جیسے بجوری ہو گئی تھی، یوں لوگ رہا تھا
ہزان کے وہ الفاظ مجھے کسی کلمہ میں جذبہ ہے ہوں۔
میں ان کا مطلب نہیں جانتی، وہ کسی اور زبان میں ہیں
لیکن مجھے اتنا لیکن ہے کہ وہ زبان بڑی مقدس ہو گی اور
وہ الفاظ۔۔۔ وہ الفاظ بہت غیر معمولی۔۔۔ کیا کہتے ہیں وہ
لفاظ مجھے سے منصف؟“

”یہ ازان تمہیں یاد دلاتی ہے کہ اس دنیا میں آنے
کے بعد تمہاری ساعتیں اللہ کے اسی حکم سے آشنا۔۔۔“

عفتنگو ہو گی۔ ”کہتے کہتے و خود ہی بس پڑا پھر اس کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کے کہنے لگا۔

”تم کس چیز سے خوف زدہ ہو؟ کون تمہارا امانت تھا ہے ہوئے ہے؟ میں صاف محسوس کر سکتا ہوں۔ اس وقت تمہارے دل میں کیا ہے اور تم کیا چاہتے ہیں؟“ تم اپنے تمہارے قدم جس جانب بڑھنا چاہتے ہیں تم کم انسان بڑھنے کیوں نہیں دیتیں؟ تمہارا اول تمہیں جس راست کو چھٹے۔ اکسار ہاے، تم بلا جھگٹ اس کو اختیار کر سے نہیں کرتیں۔ اذان کی آواز تمہیں بلا وے دیتی ہے، کیا پھر بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں من اپنی جانب بارہا ہے یا پھر تم جان کر بھی انجان بن رہے ہو۔ تمہیں سارا چاہیے۔ میں دے سکتا ہوں مگر ابھی نہیں۔ تمہیں مدد چاہیے، میں کر سکتا ہوں لیکن اُن سے پتہ ہے کیا ہو گا؟ یہ جو تمہارے اندر ایمان کی ایک روشنی کی پھوٹ رہی ہے اور جس کانفور میں تمہارے چہرے پر بخوبی محسوس کر سکتا ہوں، اس کی چیک ماند پڑ جائے گی۔ یہ ایمان۔ اور حق کی طلب تمہارے اندر یونہی نہیں جاتی۔ یہ ایک مومن میں کے دوست کا انتہا ہے۔ یہ ایک زابد و پرہیز مگر شخص کی تمہارے ہاتھوں میں دی گئی اذان کی کرامات ہیں۔ یہ تمہیں سنائے گئے درود شریف کی برکت ہے۔ کسی کا سارا لے کے اس سعادت کو ہاتھ سے نہ جانے دینا جو تمہارا نصیب بننے والی ہے۔“



”تم بہت لکھی ہو فاطمہ۔“ سارہ ڈیوڈ نے اسے لگاتے ہوئے حقیقی مرتضی سے لبریز لمحے کے سرخی کہا۔

”تمہارے دلش کی دلہنہا دراع ہو کے تمہارے دلش میں جا رہی ہے جیجا جیبا خیال رکھیے گا۔“ زندگی نے اسے چھیڑا۔

”کتنی عجیب سی بات ہے پاکستان میرا میکہ۔ اور امریکہ سرراں جگہ میری دوست اپنایہ میکہ تو۔“

”تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے ہی میں نے نیپا کا گھر چھوڑا تھا اماکہ میں کسی دیاؤ میں آئے بغیر عج اور جھوٹ کافی ملہ کر سکوں،“ اماکہ ان کی محبت مجھے کمزور نہ کروے لیکن منصف چند ہی دنوں میں مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے۔ میرے قدم ابھی سے لڑکھا رہے ہیں۔ ایک وہندہ سی ہر جانب چھائی ہوئی ہے، کبھی منظر صاف ہونے لگتے ہیں تو رستہ بھول جاتی ہوں، کبھی رستہ یاد آجائے تو پیر ٹول ہونے لگتے ہیں۔ مجھے کیلے سمارے کی، کسی کی مدد کی ضرورت ہے منصف۔ کسی کی انگلی تھاے بغیر سفر طے کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے، بہت دشوار۔“ اس نے بے بسی سے منصف کو دیکھا۔

”یہ تم میرن مدد کرو گے؟“

”میں؟“ منصف نے اس کی آنکھوں میں ڈھکے پتھے مغسوم سے انجان بننے ہوئے پوچھا۔

”سوچ لو،“ میں تو بس ایک ہی راستہ جانتا ہوں،“ اگر میں نے تمہاری انگلی تھاہی تو سیدھا اسی جانب لے کے جاؤں گا۔“

و اس کا اشارہ سمجھ گئی۔

”اگر میری مرضی نہ ہوئی تب بھی؟“ میں نے تم سے مدد ہی تو مانگنی ہے، یہ اختیار تو نہیں دیا کہ تم جہاں جی چاہے، مجھے لے جاؤ۔ یہ تم نے ہی کہا تھا کہ مجھے اپنی منزل مسکن کے کہنے پر نہیں، صرف اپنے دل کے کہنے پر منتظر کرنا ہے۔“

”ذلیکن اگر دل اپنے کہنے میں نہ ہو۔“ کسی اور کے کہنے میں ہو، تب اس دوسرے کی بات پہ ہی کان و حر لینے جاتا ہیں۔ ”وہ مسکرا یا، پریتی جھل سی ہو گئی جیسے دل کا چور پکڑا گیا ہو۔“

”کیا مطلب؟“

”مسئلہ سمجھاؤں گا اور ضرور سمجھاؤں گا مگر ابھی نہیں۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ ابھی اس کا مطلب سمجھانے کا مطلب ہو گا کہ میں نے تمہیں اپنے مطلب کے لیے یہ تو کچھ زیادہ ہی مطلبی قسم کی

کے میرے وطن سرال میں بنتے جو رہی ہے۔ نیلم حیات تھی جواب ہمی کل تک۔ نیکم سوزر جس اور جس سے گلے میں کے وہ الوداعی آنسو بماری تھیں، وہ فاطمہ منصف تھی، جواب ہمی کل تک پریتی دیوں تھی۔ نیلم ہی کی شادی کی تقریب میں ان دونوں کا بھی نکاح رہا ہیا گیا۔ اور آج ہی منصف اسے لے کر اپنے وطن پاکستان لوٹ رہا تھا۔

”میرے گھر کو بھی اپنا میکہ ہی سمجھنا فاطمہ! میں نے صرف نکاح کی کارروائی پوری کرنے کے لئے تمہارا ولی ہونے کا کردار ادا نہیں کیا بلکہ میں جیشتہ ہمیشہ کے لیے یہ ذمہ داری ایک فرش سمجھ کے فشر کرتا ہوں۔“

عثیار الیاسی نے اس کے سرپر باتھے پھیر کر دیتے ہوئے ایک بیمار پھر بارلا۔

”وہاں تو مجھے آتا ہی ہو گا انکل! خصوصاً حیدر بچ میں وہ گھریسو وہ آنکن دیکھنا چاہتی ہوں جس نے میرے ماں کو پناہ دی۔ گویا مجھے ایک مسلم گھر اتھے تھے۔“ مومن اور نیک لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے سعادت حاصل کرنے کا موقع دیا۔ یہ اسی چار دنیا اور اس کے اندر پہلا سانس لینے کا اثر تھا کہ آج میں اپنے اصل کی جانب لوٹ آئی۔“ وہ جھملنے آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

”میں تم سے پہلے وہاں پہنچ کے تمہارا انتظار کروں گا۔“ ارباز نے اس کے ماتھے پر دعاۓ بوسہ دیتے ہوئے وعدہ کیا۔

جہاز میں بیٹھ کے اپنی سیٹ بلیٹ باندھتے ہوئے منصف نے گردن موڑ کے اپنے برابر بیٹھنی فاطمہ کو دیکھا۔ ٹنک کلر کے کامدانی سے بھرے شلووار قیص میں لمبوس وہ عرصے بعد بہت پر سکون نظر آ رہی تھی۔ اسی رنگ کے دوپٹے کے ہاتھے میں اس کا گندی چھو کچلا کھللا اور پر نور دھماکی دے رہا تھا۔ ہونٹوں پر ایک زم تھی مسکراہٹ اس کے مطمئن ہونے کو ظاہر کر رہی تھی۔

”خوب ہے۔“ میرے پاس سوچنے کے ساتھ میں اپنے بھائیوں کے سوچنے کا سارا سوچنا اپنے پاس سوچنے کا سارا سوچنا۔“

”خوش ہے۔“ میرے پاس سوچنے کے ساتھ میں اپنے بھائیوں کے سوچنے کا سارا سوچنا۔“

”کیا بھی منش پسچھے باشی بے منش ہے جو کچھ اور بتاے جا سکتا کرنے کو؟ جو چیز میں بے منش ہے تو تھی بھر کے خوش ہوئے وہ مدد کا شکر ادا کر لے۔“

”خوش تو میں بھی ہوں قابلہ اور اتمہ کا شکر بھی ادا کرتا ہوں کہ تم نے بلا خرچ کو پالیا اور اسی طریقہ پر ہے۔“ میرے خواہش تھیں میں چونہتا تھا،“ تھا جب میں منصب یعنی منش پسچھو تو میں وہیں تمہارا منصب یعنی منش پسچھو تو میں وہیں تمہارا

”بڑی محنت میں سوچنے کی وجہ سے بچھا چاہتا تھا کہ تم جانا آتی ہوئی بات میں پسچھو خوشی سے دھمکتے تھے۔“

”بڑی محنت میں سوچنے کی وجہ سے بچھا چاہتا تھا کہ تم جانا آتی ہوئی بات میں پسچھو خوشی سے دھمکتے تھے۔“

”بڑی محنت میں سوچنے کی وجہ سے بچھا چاہتا تھا کہ تم جانا آتی ہوئی بات میں پسچھو خوشی سے دھمکتے تھے۔“

”بڑی محنت میں سوچنے کی وجہ سے بچھا چاہتا تھا کہ تم جانا آتی ہوئی بات میں پسچھو خوشی سے دھمکتے تھے۔“

”اس نے طمائیت سے اپنا سراس کے شانے سے نکارا۔“

